مجلد ششم	ماہ شوال ۱۳۳۸ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۰ء	عدد اول

مضامین

جدید مطبوعات

رُوح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب جماعتہاے انسانی کے اصول نفسیہ کا ترجمہ، از مولانا محمد یونس انصاری فرنگی محلی، قیمت دو روپیہ،

"منیجر"

شذرات

فن تفسیر کو علوم اسلامیہ مین جو اہمیت حاصل ہے، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
اس فن مین جسقدر کتابین لکھی گئین، کسی فن مین نہین لکھی گئین، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج یہی
فن تمام فنون سے زیادہ نادار ہے، کیونکہ قدماء کی تصنیفات جو درحقیقت اس فن کی روح و روان
تھین سرے سے ناپید ہین، یہانتک کہ چوتھی صدی کی ایک تفسیر بھی موجود نہین ہے، اور
زمانۂ مابعد کا سرمایہ جو بظاہر ایک دفتر بے پایان نظر آتا ہے، بقول مولانا شبلی مرحوم "ایک ہی
نغمہ ہے جو مختلف سازون سے ادا ہوتا ہے" اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ اس فن کے متعلق
قدماء کی تصنیفات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیدا کیجائین اور انکی طبع و اشاعت کا سامان بہم پہنچایا جائے،

مفسرین کی جماعت مین ابو مسلم اصفہانی چوتھی صدی کا مشہور ادیب اور مفسر گذرا ہے،
جس نے عقلی اصول کے موافق چودہ جلدون مین ایک تفسیر لکھی تھی، اور اسلام مین عقلی مذاق پر
جو تفسیرین لکھی گئی ہین، ان مین سب سے بڑی اور سب سے پہلی اسی کی تفسیر تھی، اس لئے
امام رازی کے زمانہ سے پہلے وہی تفسیر کبیر کے نام سے پکاری جاتی تھی، یہ تفسیر آج اگرچہ بالکل
ناپید ہے، لیکن امام رازی کے زمانہ تک موجود تھی، اور امام موصوف نے اس سے اپنی تفسیر
مین اکثر فائدہ اٹھایا ہے، اور اسکے حوالہ سے ابو مسلم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہین جو انکی
تفسیر مین متفرق طور پر ملتے ہین، ہماری دلی خواہش یہ تھی کہ یہ تمام اقوال ایک رسالہ کی

صورت مین یکجا کر دیئے جائین، اور اسکو چھاپکر دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے،

خوشی کی بات ہے کہ رفقائے دار المصنفین مین مولوی **محمد سعید** صاحب انصاری نے
اس اہم کام کو اپنے ذمہ لیا، اور امام رازی کی تفسیر کو جو تقریباً دس ہزار صفحات کی کتاب ہے
چار مرتبہ حرفاً حرفاً پڑھکر ابو مسلم کے تمام اقوال جمع کئے، اور ان کو ایک رسالے کی صورت مین
مرتب کیا، جس سے اس قدیم تفسیر کا نہایت ضروری حصہ ہمارے سامنے آگیا ہے، یہ کام اگرچہ
۱۹۱۶ء مین مکمل ہو چکا تھا، تاہم اسکی طباعت کا اب سامان ہوا ہے، چنانچہ کئی مہینہ سے
یہ کتاب البلاغ پریس کلکتہ مین نہایت اہتمام کے ساتھ چھپ رہی ہے، اس مہینہ مین اسکے
پروف آخر تک آچکے ہین، اور امید ہے کہ آیندہ ماہ تک اسکی چھپائی کا کام ختم ہو جائیگا، اور
اسوقت ہم علمی دنیا کے سامنے اس کارنامہ کو پیش کرینگے تو سب کو معلوم ہوگا کہ

ہنوز در کفم از عمر رفتہ تارے ہست   بدستم از سر زلف تو یادگارے ہست

مولانا سید سلیمان کے جو مکتوبات ہر ہفتہ بعض احباب کے نام موصول ہوتے رہتے ہین،
انکا ایک حصہ اخبارات مین شایع ہوتا رہتا ہے، پھر بھی بعض چیزین ایسی ہوتی ہین جنکا ذکر
معارف ہی کے صفحات مین ہونا چاہیئے، مولانا پیرس سے اپنے ایک تازہ عنایت نامہ مین فرماتے ہین:

"یہان کی دو انجمنون مین آج جانا ہوا، ایک انجمن حقوق انسانیت، دوسری انجمن
سیر عالم، یہ دوسری انجمن شہر سے باہر ایک سنسان باغ کے سایہ مین واقع ہے، مختلف
کنج درخت مین مختلف عمارتین ہین، اسمین ایک فوٹوگرافی اور ایک سینما کی عمارت ہے،
مختصر کتبخانہ ہے، ہمارے فوٹو یہان لئے گئے، سینما مین میدان جنگ کے مختلف سمان اور

دہلی و آگرہ کے عجائبات تعمیری دکہائے گئے، یہ انجمن اپنے ممبرون کو دنیا کے مختلف حصون مین سیر کے لئے مناظر کے فوٹو لینے کے لئے بھیجتی ہے، اسکو دیکھکر ہمکو اپنا دار المصنفین یاد آگیا، وہی درختون کے جنگل اور وہی خاموشی و سکون "۔

بیرس ہی سے ایک دوسرے عنایت نامہ مین تحریر ہے :۔

" یہان آکر مین نے چند مضامین لکھے، مسئلۂ خلافت پر جو مضامین لکھے، وہ مسلم آوٹ لک مین چھپے، ایک مضمون " اسلام اور دنیا " کے عنوان سے معترضانہ نیو اسٹیٹسمین لندن مین چھپا تہا، مین نے اسکا جواب لکہا، اور وہ اس ہفتہ مین شائع ہوا، بریٹن اینڈ انڈیا ایک نیا رسالہ ایک انگریز خاتون کی ایڈیٹری مین نکلا ہے، اپریل نمبر مین پردہ اور موجودہ نسوانیت ہند پر ایک مضمون نکلا تہا، اسکا جواب لکھکر اسکو بھیجدیا ہے، ایک جلسہ مین مین نے تقریر کی تھی وہ بھی اس نے لیلی تھی کہ رسالہ مین شائع کرونگی، پیرس مین مین نے عربی مین جو تقریر کی تھی وہ ٹیونس کے اخبار الصواب مین شائع ہوئی ہے، مسیو لی بان سے ملنے کا ارادہ ہے اور خصوصاً اردو کے پروفیسر سے، کیمبرج کی مجلس طلبۂ ہند مین مین نے اردو یا ہندوستانی زبان کی ضرورت پر تقریر کی تھی "۔

ایک تیسرے مکتوب مین جو لندن سے موصول ہوا ہے، تحریر ہے :۔

" پچھلی ڈاک مین انڈیا آفس لائبریری کی اردو کتابون پر مضمون بھیجا ہے پہنچا ہوگا اسمین قلمی کتابون کا تذکرہ نہین ہے، کیونکہ اسکی کوئی فہرست مرتب نہین ہے، تاہم مین پروفیسر اسٹوری کے ذریعہ سے (جو یہان اب اسسٹنٹ لائبریرین ہین) پروفیسر بلومہارٹ سے ملا جو قلمی اردو کتابون کے انچارج ہین، دیکھکر سخت تعجب ہوا، بہت بڈھے آدمی، ۸۰ سے کم عمر نہوگی، بالکل سن سفید اور پیری سے خمیدہ پشت ہین، ۱۸۷۰ء مین ہندوستان گئے تھے اردو عمدہ اور صحیح مخارج کے ساتھ بولتے ہین، برٹش میوزیم مین بھی اردو کا صیغہ انہین کے متعلق ہے، انھون نے انڈیا آفس کی اردو قلمی کتابون کا مسودہ فہرست اپنے ہاتھہ کا لکھا ہوا مجھے دیا، لیکن یہ فہرست بالکل بے ترتیب ہے، اس سے کسی چیز کا نکالنا مشکل نظر آیا، بہرحال اتنا معلوم ہوا کہ اردو کی کل تین سو قلمی کتابین یہان ہین، یہ زیادہ تر دلّی سے ہاتھہ آئی ہین، سعادت علیخان رنگین کی دس بارہ تصنیفات ہین، ہندی کی قلمی کتابین (۱۰۰) سو ہین، ہندی بھی پروفیسر بلومہارٹ ہی سے متعلق ہے، پروفیسر موصوف اردو کے بہت مداح ہین، اردو کو ہندوستان مین ذریعۂ تعلیم بنانے کے موید ہین، ہندی کے مقابلہ مین اردو کو ہندوستان مین زیادہ پھیلنے والی قوت تسلیم کرتے ہین "۔

سعادت یار خان رنگین، خوش قسمت تھے، کہ انکی متعدد تصانیف کے مسودات کو انڈیا آفس کے کتبخانہ مین جگہ ملی، لیکن کیا رنگین کے بعد اردو مین کوئی اور مصنف یا شاعر اس پایہ کا نہین ہوا ہے؟ کیا حالی و شبلی، اکبر و اقبال کا مرتبہ رنگین سے بھی فروتر سمجھا گیا ہے؟ اردو کا افلاس و ناداری مسلم ہے، لیکن با این ہمہ بحمد اللہ رنگین سے بہتر تو انکے بعد صدہا شعراء و مصنفین پیدا ہو چکے ہین، یہ دوسری بات ہے کہ ادسلے وگلگرسٹ، ہالرائڈ و لائیز، بیمز و فیلن کے ہم قومون سے ذوق علم و شوق ادب رخصت ہو گیا ہے، انوار شمع طور آج بھی بدستور ہین، البتہ سینۂ کلیم شاید تمنائے دیدار سے بے نور ہو چکا ہے،

پونہ کی زنانہ یونیورسٹی کا تذکرہ اس سے پیشتر ان صفحات مین آچکا ہے، حال مین بمبئی کے مشہور مہاجن سر وٹھل داس ٹھیکرے نے اُسکو جو عطیہ عنایت کیا ہے اسکی تعداد پندرہ لاکھ ہے، اس شاہانہ عطیہ کو ملاکر یونیورسٹی کے پاس اسقدر مجموعی سرمایہ ہوگیا ہے، جسکے منافع کی آمدنی ستّر ہزار سالانہ ہوگی! یونیورسٹی کا آیندہ مرکز بمبئی قرار پایا ہے، اور پونہ بمبئی و احمد آباد وغیرہ مین متعدد کالج اور اسکول کھولے جارہے ہین، جو سب کے سب اسی یونیورسٹی سے ملحق ہونگے، ارکان مجلس انتظامیہ نے تخمینہ کیا ہے کہ کل مجوزہ مصارف کے لئے کم از کم ایک لاکھ سالانہ یعنی موجودہ آمدنی سے تیس ہزار سالانہ زاید آمدنی کی ضرورت ہوگی، یہ رقم بظاہر بہت بڑی معلوم ہوتی ہے، لیکن جس قوم کا ایک ایک فرد اسقدر اولوالعزم ہو، اُسکے لئے اتنی رقم کی فراہمی چند روز کا سوال ہے، یہ سوال اس قوم کے سامنے ہین، جسکے پاس لے دیکے لکھنؤ و علی گڈھ کے کل دو مدارس نسوان ہین، اور اُن مین بھی پہلے کی حالت نیم خفتہ اور دوسرے کی نیم مردہ ہے،

ہندو یونیورسٹی کی تحریک سنہ ۱۱ء سے شروع ہوئی، اور سنہ ۱۵ء مین یونیورسٹی قائم ہوگئی، میسور یونیورسٹی کا تخیل سنہ ۱۳ء مین پیدا ہوا، اور سنہ ۱۶ء سے باضابطہ تعلیم شروع ہوگئی، پٹنہ یونیورسٹی کی تجویز کل ہوئی اور آج عمل ہونے لگا، ڈھاکہ یونیورسٹی کا نقشہ چند سال اُدھر بنا رہا، اور اسوقت تک مسودۂ قانون منظور ہوچکا، لکھنؤ یونیورسٹی کا خواب شب کو دیکھا تھا اور صبح ہوتے ہی اسکی تعبیر پوری ہونے لگی ہے، غرض اس دس برس کے عرصہ مین متعدد سرکاری و غیر سرکاری یونیورسٹیان عدم محض سے وجود مین آچکی ہین، لیکن اس شرف مخصوص مین مسلم یونیورسٹی کا کوئی شریک نہین، کہ گو اسکی تجویز سب سے قدیم تر ہے، اگر اسکا وجود سب سے زیادہ ضروری ہے اور گو اسکا خیر مقدم انتہائی جوش و خروش کے ساتھ ہوا تھا، تاہم عملی حیثیت سے آج بھی یہ تحریک ٹھیک اسی جگہ پر ہے، جہان ہمیشہ تھی! دوسرون کو اگر اپنی حرکت و رفتار عمل پر ناز ہے تو ہوا کرے، ہمین اس فخر سے کون محروم کرسکتا ہے کہ جمود و سکون مین ہمارا مرتبہ سب سے بلند ہے؟-

---

حاشا اس سے یہ مقصود نہین کہ حکومت جن شرائط پر یونیورسٹی دے رہی تھی انہین کو منظور کرلینا چاہیئے، یا خوامخواہ اپنی یونیورسٹی کو سرکاری ہی رکھنا چاہیئے، لیکن آخر کوئی قدم تو آگے بڑھنا چاہیئے، آزادانہ و خوددارانہ شرائط پر خواہش حصول یونیورسٹی کے یہ معنی تو نہین ہوسکتے کہ اسے آڑ بناکر دست و پا شکستہ اشخاص کی طرح اپنے تئین بالکل معطل بنالیا جائے، دوسرے قافلے جو ہم سے کہین بعد کو روانہ ہوئے تھے وہ ہماری آنکھون کے سامنے پوری تیز روی کے ساتھ گذرتے ہوے چلے گئے، لیکن آج تک

ہم محو نالۂ جرسِ کاروان رہے

بغداد و دمشق، قرطبہ و غرناطہ کو علمی مراکز بنانے والے اسلاف نے کیا ساری دماغ سوزی و جگر کاوی اسی لئے کی تھی کہ اپنے اخلاف کو ہمیشہ کے لئے علمی و تعلیمی جد و جہد کے فرض سے سبکدوش کرجائین؟-

---

کلکتہ یونیورسٹی نے اپنے ہان (پوسٹ گریجویٹ کلاسز) بی، اے پاس طلبہ کے لئے السنہ حالیہ کا جو نصاب درس رکھا ہے، اسمین اردو کئی سال سے داخل ہے، حال مین بمبئی یونیورسٹی نے بھی اپنے ہان بی، اے اور ایم اے کی جماعتون مین ایک مضمون اردو زبان کا

رکھنا طے کیا ہے، اور منتہی طلبہ کے لئے ایک اردو لکچرار کا تقرر منظور کیا ہے، پنجاب یونیورسٹی
سالہا سال سے جو خدمت اُردو زبان و ادب سے متعلق انجام دی رہی ہے اسکا
اعتراف بھی سب پر واجب ہے، اور تو اور مدراس یونیورسٹی تک اُردو کی جانب سے
بے التفات نہین، البتہ سرکاری یونیورسٹیون مین سے اگر کسی کا طرز عمل اردو سے متعلق
سرد مہری و بے اعتنائی کا مجسمہ ہے تو وہ الہ آباد یونیورسٹی ہے جو اردو کے مرکز اصلی مین واقع ہے
اسکا کتبخانہ اردو کتابون سے یکسر خالی ہے، اسکے اعلیٰ نصاب درس مین اُردو کی کوئی گنجائش
نہین، اسکی فہرست اساتذہ مین تعلیم اردو کے لئے کسی ہستی کا وجود نہین، اسکے خزانہ عامرہ مین
اردو ارباب قلم کی اعانت کی کوئی مد نہین، اسکا نظام امتحانات، اُردو کے عنوان سے ناآشنا ہے
اسکی تاریخ اُردو کی قدر دانی کے ذکر سے خاموش ہے، اور اسکا نظام کار اردو کے واجبی حقوق کے
اعتراف سے نامانوس ہے، جو خطہ اُردو زبان کا سب سے بڑا مرکز ہے، جہان کے بچہ بچہ
کی مادری زبان اُردو ہے، جسکے حلقہ مین لکھنؤ، آگرہ، فیض آباد شامل ہین، کیا اس خطہ کے
خدایان تعلیم کا اپنے صوبہ کی زبان کے ساتھ یہی برتاؤ ہونا چاہیئے تھا؟ دنیا کی تعلیمی تاریخ مین
یہ واقعہ آپ اپنی نظیر رہیگا۔

خیر الہ آباد یونیورسٹی نے تو اس معاملہ مین اپنے فرائض کو جسقدر یاد رکھا اور جیسی کچھ
داد دیانت دی ہے، اسکا فیصلہ تاریخ پر چھوڑا جا سکتا ہے، لیکن کیا لکھنؤ یونیورسٹی مین
بھی یہ ظلم روا رکھا جائیگا؟ اردو زبان کا حق تو یہ ہے کہ اب اسے لکھنؤ یونیورسٹی مین بطور آلہ
تعلیم کے رکھا جائے، اور جملہ علوم و فنون کی تعلیم بجائے انگریزی کے اُردو ہی کے ذریعہ سے ہو
لیکن اس تجویز پر عملدر آمد اگر سر دست محال ہے تو کم از کم اتنا تو بہر حال ہونا چاہیئے کہ

اردو کو عربی، سنسکرت، و فارسی کی طرح یونیورسٹی کے نصاب السنہ مین جگہ دیجائے، اُردو
زبان اپنے موجودہ سرمایہ ادب کے لحاظ سے ہرگز اس سے زیادہ مفلس نہین جتنی انگریزی
زبان آکسفرڈ و کیمبرج یونیورسٹیون کے قیام کے وقت تھی جس زبان مین میر و درد و غالب
و مومن، انیس و دبیر، اکبر و اقبال، سرسید و چراغ علی، آزاد و نذیر احمد، حالی و شبلی کے
پایہ کے شعراء و مصنفین پیدا ہو چکے ہون اور جسکے خزانہ ادب مین عربی و فارسی، سنسکرت
و انگریزی کے بہترین جواہر ریزے منتقل ہو چکے ہون، اُسے لٹریچر کے اعلیٰ اصناف سے
محروم سمجھنا خود اپنی ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے،

گاندھی صاحب کے حسب ہدایت اور الہ آباد کی ہندی سمیلن کی زیر نگرانی مدراس مین
جو کوششین ہندی زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے دو برس سے جاری ہین وہ ایک
بڑی حد تک بار آور ہو چکی ہین، اور اس مشن کو پانچ سال تک اور جاری رکھنے کے لئے
حال مین بمبئی کے ماڑواریون نے پچاس ہزار کا سرمایہ بھی فراہم کر دیا ہے، مسٹر گاندھی فرماتے ہین کہ
زبان تو ہندی و اُردو دونون ایک ہی ہین، فرق صرف رسم الخط کا ہے، اور انہین توقع ہے کہ
مسلمان ایک بڑی آبادی کی سہولت کے خیال سے اپنے اُوپر تھوڑی سی تکلیف گوارا کرکے
ناگری رسم الخط بہ مسرت تمام سیکھ لین گے، گاندھی صاحب کا خلوص نیت قطعاً ہر قسم کے
شک و شبہہ سے ارفع ہے، لیکن ان کے اس مشورہ پر مسلمان غالب کی زبان مین صرف
اتنا عرض کر دینا چاہتے ہین ؎

عشق و مزدوری عشرتگہ خسرو کیا خوب
ہمکو تسلیم نکونامی فرہاد نہین

پچھلے نمبر مین اخبار علمیہ کے زیر عنوان ایک جدید آلہ کی اختراع کا حال درج ہوا ہے، جسکے ذریعہ سے ملزمین کو جھوٹ بولنے کا موقع نہ ملیگا، اسلئے کہ جب وہ اپنے دیکھے ہوے کسی واقعہ سے انکار کرینگے تو فوراً ان کا جھوٹ اس آلہ کی وساطت سے کھل جائیگا، یہ آلہ چونکہ اپنی نوعیت مین عجیب وغریب ہے، اسلئے بعض ناظرین معارف اس خبر کو باور نہ کرکے ہم سے اُسکی تصدیق چاہتے ہین، ہم اسکے جواب مین اور کیا عرض کرسکتے ہین کہ انکی طرح ہم بھی اس آلہ کی زیارت سے مشرف نہین ہوئے ہین، البتہ اگر بجاے عدالت کے سامنے لائے ہوئے ملزمون کے اسکا تجربہ ایوان وزارت کے کرسی نشینون، سفارت خانون کے عہدیدارون میدان سیاست کے پہلوانون، اخبارات کے مقالہ نگارون، اور قومی لیڈرون پر کامیاب ثابت ہو تو بیشک یہ ایک ایسا معجزہ ہوگا جسپر سب کو ایمان لے آنا پڑیگا،

مسلمان اپنے مذہب سے جس شغف کا اظہار کرتے ہین، اُسکا تقاضا یہ تھا کہ یورپ مین تبلیغ اسلام کے لئے یورپین زبانون مین قرآن مجید کے متعدد تراجم مستند و ذیعلم مسلمان ارباب قلم کی طرف سے شائع ہوچکے ہوتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اتبک کسی مغربی زبان مین ایک بھی صحیح ترجمۂ قرآن موجود نہین، انگریزی مین متعدد تراجم سیل، پامر، راڈول، وغیرہ یورپین اشخاص کے موجود ہین، لیکن انہین دیکھکر یورپ کی عربی دانی سے حیرت کے ساتھ بدگمانی ہوتی ہے، تعصب وعداوت کی رنگ آمیزیون سے قطع نظر کرکے قرآن کی معمولی عبارتون کے سمجھنے مین ان حضرات سے جو حیرت انگیز غلطیان واقع ہوئی ہین، ان کا اندازہ بغیر اسکے ہونا ناممکن ہے کہ ان ترجمون کو قرآن کے پہلو بہ پہلو رکھکر پڑھا جائے، آکسفرڈ وکیمبرج کے علماء شرقیات کی یہ غلطیان اکثر اس درجہ کی ہین جو مبتدی عربی خوانون سے بھی نہین ہوسکتین،

مولوی محمد علی (احمدی) ایم، اے کا انگریزی ترجمہ بعض حیثیات سے نسبتہً بہت بہتر ہے، پھر بھی سوءِ تفہم کی بہ کثرت مثالون سے خالی نہین، لیکن آج کسمین اتنی ہمت ہے جو مسلمانون کو "ضروری" "واہم" "مشاغل سے ہٹاکر اس ضرورت کی جانب متوجہ کرسکے؟

مستند انگریزی ترجمۂ قرآن کی جسقدر ضرورت یورپ مین تبلیغ اسلام کے لئے ہے، اسیقدر خود ہندوستان کے ان علاقون مین ہے، جہان مادری زبان اردو نہین، ان آبادیون تک پیام حق پہنچانے کا بہترین ذریعہ تو یہ تھا کہ بنگالی، مرہٹی، گجراتی، ہندی، تامل، تلگو، وغیرہ ہندوستان کی ہر زبان مین اُسکا صحیح ترجمہ موجود ہوتا، لیکن اگر سردست یہ ممکن نہین تو اس مقصد کو ایک حد تک انگریزی ترجمہ کی مدد سے پورا کیا جاسکتا ہے، لیکن موجودہ صورت مین غیر عربی دان وغیر اردودان قومون کو چار و ناچار انگریزی کے غلط وناقص تراجم ہی پر اعتماد کرنا ہوتا ہے اور رقیب کے ذریعہ سے پیام رسانی کے جو نتائج ہوسکتے ہین وہ کسی پر مخفی نہین،

گذشتہ نمبر مین ہم ایک کرم فرما کی علمی فیاضی کا شکریہ ادا کرچکے ہین لیکن اس سلسلہ مین ہمین ایک اور عنایت فرما کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے، چودھری محمد علی صاحب ردولی (اودھ) کے ایک علم دوست رئیس ہین، جنھون نے دار المصنفین کو "ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ" "مورخین کی تاریخ عالم" کی مکمل پچیس جلدین عنایت کی ہین، دار المصنفین کا انگریزی کتبخانہ ابھی بالکل ابتدائی حالت مین ہے، اسلئے یہ عطیہ خصوصیت کے ساتھ قابل شکریہ ہے، اس کتاب کو یورپ کے مشاہیر علماءِ تاریخ کی ایک جماعت نے اپنی مشترکہ محنت سے ۱۸۔۱۹ سال ہوئے تالیف کیا تھا، اور اگرچہ اسکا معیار تحقیق اسقدر بلند نہین جسکی توقع کیجاتی تھی، پھر بھی بلحاظ جامعیت کتاب قابل قدر ہے۔

مقالات

قصۂ بکاؤلی اور مسایل تصوف

کپلنگ نے جو دورِ جدید کا ایک مشہور انگریزادیب ہے، عرصہ ہوا ایک نظم لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ تھا کہ

"مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، دونون کبھی متحد نہین ہوسکتے"۔

کپلنگ اسوقت لاہور کے اینگلو انڈین روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کے حلقۂ ادارت مین تھا جو ہندوستانیون سے تعصب رکھنے مین مشہور رہے، اور خود اس نظم کا مقصد بھی مغرب کی افضلیت ثابت کرنا تھا، اِسلئے اہل مشرق کو قدرۃً اسکی اشاعت سے سخت اشتعال پیدا ہوا، اور ہندوستان مین کئی انگریزی نظمین اس نظم کے جواب مین لکھی گئین،

لیکن کیا جو خیال اس شعر مین ادا کیا گیا ہے، اسکی واقعیت سے انکار ممکن ہے؟ کیا یہ واقعہ نہین کہ مشرق مشرق ہے، اور مغرب مغرب، اور دونون مین "بعد المشرقین" حایل ہے، فضایل ورذایل کا سوال الگ ہے، لیکن اس حقیقت سے کسکو انکار ہوسکتا ہے کہ صورت وشکل، رنگ روپ، قد وقامت، زبان ولہجہ، رسم ورواج، اخلاق ومعاشرت، وضع ولباس، مذہب، عقاید، غرض ایک ایک چیز مین مشرقی، مغربی سے الگ ہے؟

ان مین سے بعض ایسے اختلافات ہین جو بالکل قدرتی وطبعی ہین، اور انسانی تصرف واختیار سے خارج ہین، مثلاً صورت، رنگ اور زبان کی خصوصیات، لیکن اکثر اختلافات ایسے ہین جو اس حد تک انسانی ارادہ کی دسترس سے باہر نہین بلکہ جنہین انسان اپنی پسند

خواہش سے اختیار کرتا رہتا ہے مثلاً قوانین حکومت یا آداب معاشرت،

اس آخری شق کے، یا اختیاری، اختلافات تعداد مین بہت زاید ہین، لباس مین ہمارے ان کے کوئی مناسبت نہین، طریقۂ تعلیم مین ہمارے ان کے سخت اختلاف ہے، ہمارے ہان کے مراسم نکاح پر وہ ہنستے ہین، ہمکو ان کے ہان کی "کورٹ شپ" ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے ہماری معاشری زندگی کی روح خاندان مشترکہ ہے، ان کے نزدیک یہ ایک احمقانہ دستور ہے مردون کے فاتحہ کا رواج ہندوؤن اور مسلمانون مین عام ہے، اہل مغرب کی نظر مین اس سے بڑھکر ضعیف الاعتقادی کی کوئی مثال نہین، غرض اس طرح کے صدہا بلکہ ہزارہا اختلافات پائے جاتے ہین، اور گو ہر دور مین انکے جزئیات بدلتے رہتے ہین، تاہم اصلاً دونون کے حدود بجائے خود قائم رہتے ہین، موجودہ دور نے بیشک ان امتیازات کو دور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کوشش کا اثر اب تک بہت ہی محدود رہا ہے، ہندوستان کی آبادی کا شاید ایک یا دو فیصدی حصہ ایسا ہے جو اسوقت تک انگریزی معاشرت اختیار کرسکا ہے، اور مغرب مین تو جتنے اشخاص مشرقیات سے متاثر ہوئے ہین، ان کا شمار انگلیون پر ہوسکتا ہے،

ان تمام امتیازات واختلافات کو اگر کسی بڑے اصول کی ماتحتی مین لانا چاہین تو صرف دو الفاظ کافی ہونگے، روحانیت ومادیت، روحانیت کا گہوارہ مشرق ہے، اور مادیت کا ملجا و مامن مغرب ہے، ریل اور تار برقی، ہوائی جہاز اور مشین گن مغرب کے اختراعات ہین مذاہب عالم مشرق کے پیداوار ہین، خود حضرت مسیح کا جنکے خدا ہونے پر سارا مغرب متفق اللفظ ہے، (گو عملاً وہ انہین خدا کیا معمولی انسان سے بھی فروتر سمجھتا ہے) مولد و منشا بھی مشرق تھا، مغرب کو کیپلر و نیوٹن، مارکونی و ایڈیسن، پاسٹیور و ڈارون پر ناز ہے، جنھون نے علوم مادی کے خزانون کی کنجیان ایک ایک کے ہاتھ مین دیدین، مشرق انکے

مقابلہ مین کرشن، دگوتم بدھ، کنفوشس وزرتشت، رومی وجیلانی کے نام پیش کرتا ہے، جو اقلیم باطن کے غیر فانی تاجدار ہوئے ہین، مغرب اپنے سب سے زیادہ قیمتی مقبوضات اپنی یونیورسیٹیون اور کالجون، کتبخانون اور عجائب خانون، تماشاگاہون اور نمائشگاہون کو سمجھتا ہے، مشرق اپنی خانقاہون اور درگاہون، مندرون اور شوالون، عبادت گاہون اور زیارتگاہون پر جان دینے کو تیار رہتا ہے،

مشرق ومغرب کا یہ اصولی فرق، علم وفن، اخلاق وسیاست، تمدن ومعاشرت تعلیم وتربیت، غرض زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ مین نظر آتا ہے، یہانتک کہ جو چیزین بظاہر دونون مین مشترک معلوم ہوتی ہین، بغور دیکھا جائے تو ان مین بھی یہی امتیاز قائم ملیگا، اور اُسکی ایک مثال پر اسوقت نظر کرنا ہے،

اصناف ادب مین افسانہ ایک ایسی چیز ہے جسکے متعلق پہلا قیاس یہ ہوتا ہے کہ مشرق ومغرب مین کوئی امتیاز نہوگا، کہانیون سے جو دلچسپی یہان کے بچون کو ہوتی ہے، وہی وہان کے بچون کو بھی ہوتی ہے، حسن وعشق کے تذکرے جیسے ہمارے نوجوانون کو مرغوب ہین ویسے ہی ان کے ہان بھی ہین، غم ومسرت، لذت والم، درد وحسرت کے جذبات جیسے ہم مین ہوتے ہین ویسے ہی ان مین بھی ہوتے ہین، لیکن بااین ہمہ مشرق ومغرب کے افسانون مین آسمان وزمین کا فرق ہوتا ہے، نہ صرف ان ظاہری حیثیات سے جنہین "ناول" وفسانہ کے درمیان مابہ الامتیاز قرار دیا جائے بلکہ اصلی روح یا اسپرٹ کے لحاظ سے، قصص مشرقی ومغربی ایک دوسرے سے محض طرز ادا وپیرایۂ افسانہ گوئی کی بنا پر ممتاز نہین ہوتے، بلکہ جان سخن ومغز کلام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہوتے ہین،

مادیت وروحانیت کے حدود حکومت اس میدان مین نمایان طور پر نظر آتے ہین،

ہومر، شکسپیر، ہیوگو، ڈوما، ڈکنس، تھیکرے، جارج ایلیٹ، وغیرہ مغرب کے بہترین دماغون کے افسانون کو دیکھو، (بہ استثنار شاذ) ہر جگہ اسی مادی دنیا کی کشمکس کے واقعات ومناظر روبرو ہونگے، بخلاف اسکے مشرق کا ہر افسانہ جو ذرا بھی ممتاز قلم سے نکلا ہوگا، اپنے اندر روحانیت کے عناصر ضرور رکھیگا، مہابھارت اور رامائن سے قطع نظر کرکے جو سرتاسر مذہبی افسانہ ہین، عام رزمیہ وعشقیہ فسانے بھی اسی رنگ مین رنگے ہوئے نظر آئینگے، یہانتک کہ جو افسانے موجودہ مہذب جماعت کے نزدیک نہایت عامیانہ بلکہ مبتذل سمجھے جاتے ہین، اور واقعتہً ان مین فحش وابتذال کی مثالین قدم قدم پر ملتی ہین، اگر تلاش کیا جائے تو ان دریاؤن مین موعظت واخلاق، تزکیۂ نفس وصفائے روح کے موتی بکثرت دستیاب ہونگے، بلکہ اکثر یہ ثابت ہوگا کہ مجاز کے پردہ مین پوری داستان حقیقت ومعرفت بیان ہو رہی ہے، حافظ کے جام وبادہ ساقی وپیمانہ، ابر ومیخانہ کے معانی سے کون ناواقف ہے؟ لیکن دراصل مطالب عالیہ کی رمز بیانی کے لئے خواجہ حافظ جیسی جلیل القدر ہستیون کی تخصیص نہین بلکہ مشرق کا یہ عام مذاق ہے کہ رندی وعاشقی کے مصطلحات مین حقائق ومعارف کی تعلیم دیجاتی ہے،

الف لیلہ، داستان امیر حمزہ، بوستان خیال، وطلسم ہوشربا، اس نوعیت کی کتابون مین سے کوئی بھی اس قابل نہین سمجھی جاتی کہ آج اسکا نام شائستہ وتعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بغیر شدید مضحکہ کے لیا جا سکے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان مین سے ہر کتاب باوجود خوارق عادت کے تذکرہ اور پیرایۂ بیان کے ابتذال کے ایک گنجینۂ اسرار تصوف ہے، جسکے نظر آنیکے لئے کسی غیر معمولی روحانی بصارت وبصیرت کی ضرورت نہین، البتہ یہ ضرور ہے کہ مغربی سطحیت کی جو عینک آنکھون پر چڑھی ہوئی ہے، اُسے اُتار کر رکھدیا جائے،

اسی قسم کے افسانون مین ایک قصۂ گل بکاؤلی ہے، جسکے مطالب سے اگرچہ ہمارے

ہان کا بچہ بچہ واقف ہے، تاہم اس "مبتذل" قصہ کے نام پر مضحکہ کرنا ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ مین روشن خیالی کی مستحکم دلیل سمجھی جاتی ہے، صفحات ذیل مین یہ دکھانا ہے کہ یہ افسانہ بھی درحقیقت اسرار تصوف کا معلم ہے، اور یہ کوئی راز نہین، بلکہ مصنف خود بار بار اسکی تصریح کرتا جاتا ہے، حیرت اسپر ہے کہ اتنی کھلی ہوئی بات پر بھی نگاہین نہین پڑتین!

بکاولی کا اصل قصہ نہایت ہی قدیم ہے، جسکی تاریخ کا علم خود تاریخ کو بھی نہین، اور نہ اس بحث مین پڑنے کا یہ موقع ہے، مختصر یہ کہ ہندوؤن کی بعض قدیم ترین کتابون مین اسکے حوالے ملتے ہین، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ ابتداءً اسکے متعلق کوئی کتاب سنسکرت مین لکھی گئی ہوگی، تقریباً ۱۱۲۴ھ مین شیخ عزت اللہ بنگالی نے اسے فارسی زبان مین مرتب کیا، اور لارڈ ویلزلی گورنر جنرل ہند کے عہد مین لالہ نہالچند لاہوری نے جنکا مولد دہلی تھا اور جو کلکتہ مین مقیم رہتے تھے، اُردو زبان کے نامور محسن جان گلگرسٹ کے حسب فرمائش اسکا ترجمہ اردو مین کیا، ترجمہ کا سنہ قطعی طور پر معلوم نہین، لیکن یہ معلوم ہے کہ لارڈ ویلزلی کی مدت حکومت ۱۷۹۸ء سے ۱۸۰۵ء تک تھی، اس حساب سے اس کتاب کو اُردو مین آئے ہوئے کم و بیش سوا سو سال ہوئے ہین، اسکا پورا نام "مذہب عشق معروف بہ گل بکاولی" ہے، یہی وہ کتاب ہے جو کچھ کم سو صفحات کی ضخامت کے ساتھ حنائی کاغذ پر چھپی ہوئی عام طور پر بازارون مین ملتی ہے، اور یہی مثنوی گلزار نسیم کا ماخذ ہے (اسکے علاوہ ایک دوسرا قصہ گل بکاؤلی بھی اُردو مین موجود تھا، لیکن اب وہ نایاب ہے)

(۱) قصہ کے پلاٹ کا آغاز یہ ہے کہ زین الملوک ایک فرمان روائے با اقبال تھا، اُسکی نظر جب اسکے محبوب فرزند تاج الملوک پر پڑی تو دفعتہً بصارت جاتی رہی، اطبا نے بتایا کہ اگر گل بکاولی کہین سے دستیاب ہو سکے تو بینائی عود کر سکتی ہے، تاج الملوک کے چارون

بڑے بھائی ایک ساتھ، اور تنہا تاج الملوک الگ، اس گل نایاب کی تلاش مین روانہ ہوئے ملک بکاولی مین داخل ہونے سے پہلے ایک اور شہر پڑتا تھا، اسمین ایک عیار طوائف رہتی تھی جو چوسر کھیلنے مین اپنا جواب نہین رکھتی تھی، اور ایک بلی اور چوہے کی مدد سے ہمیشہ بازی جیت جاتی تھی، چارون شہزادے اسکے ہان گئے، اور اپنی تمام دولت بلکہ آزادی کو بھی ہار کر اسکے غلام بن گئے، چند روز کے بعد تاج الملوک پہنچا، اس نے اس عیارہ کے مکر و فریب کو تاڑ لیا، اور ایک نیولے کی مدد سے اُسے کھیل مین شکست دیکر اسے خود اپنی لونڈی بنایا، اور تمام شاہزادون کو اسکی غلامی سے نجات دلائی، لیکن جانتے ہو یہ مجاز بیانی کس گنجینۂ معارف کا طلسم ہے؟ اسکی شرح خود مصنف کی زبان سے سُنو:-

"اے عزیز تو نے معلوم کیا کہ مین نے کیا کہا، اس بات کا حاصل یہ ہے کہ دل عرش منزل تیرا جو رونق بخش تخت بادشاہی کا اور دیکھنے والا مادہ اور مجرد کا تھا، جب اُسکی آنکھ اس خلقت ناپاک پر پڑی، اُسکی بصارت کو زنگ لگا، اور دیدۂ روشن تاریک ہو گیا اب اُٹھ اور سرمۂ بینائی ڈھونڈھ، یعنی گل مراد کی تلاش کر، لیکن راہ مین دنیائے عیارہ کی بازی مین کہ تختۂ فریب کا دہرا ہوا ہے، مشغول ہونا، مبادا وہ فاحشہ پہلے تجھکو فریفتہ کر کے بنا دے، اور بعد اسکے مکر کی بلی اور فریب کے چوہے کی مدد سے اچھا پانسہ اپنے حسب مرضی پھینکے، اور دفعتاً تیرے توکل کا سرمایہ آخر ہو جائے، تب تجھکو دام الم الحبس کر رکھے اگر تو صبر کے نیولے کی اعانت سے اس مکارہ کی بازی طلسم کو درہم کر دے، تو وہ فاحشہ جو بادشاہون اور گردن کشون کی ہم نشین ہے، تیری فرمان بردار لونڈی ہو کر چاہے کہ تجھکو اپنے حسن و جمال پہ لبھائے، پھر اگر تو اسکے منھ پر الفت سے نگاہ نہ کرے تو یقین ہو کہ گل مراد کے دامن تک تیرا دسترس ہو"

صوفیہ کرام اس سے زیادہ کس شے کی ہدایت کر سکتے ہین؟

(۲) تاج الملوک سفر کرتے کرتے سرحد ملک بکاولی تک پہنچا ہے، لیکن وہان پہنچکر اسے معلوم ہوا کہ قلعہ بکاولی جہان وہ گل مراد پوشیدہ ہے، اٹھارہ ہزار دیوون کی حفاظت مین ہے اور سال سال بھر کی مسافت کے مقامات تک انکی چوکیان بیٹھی ہوئی ہین، انکے علاوہ بیشمار پریان ہر وقت نگرانی کرتی رہتی ہین، کہ کوئی پرندہ ہوا کے راستہ سے بھی نہ پہنچ سکے، نیز جو ہون کا بادشاہ بے حد حساب لشکر لئے ہوئے زمین دوز راستون کی پاسبانی کرتا رہتا ہے، تاج الملوک نے یہان پہنچکر ایک قوی ہیکل دیو کو کسی طرح اپنے موافق بنایا، اور اسکی بہن حمالہ کو جو سب دیوؤن کی سردار تھی ملایا، یہانتک کہ اس نے اپنی پروردہ ایک حسین لڑکی محمودہ کو اسکے نکاح مین دیدیا، مصنف ان اسرار معرفت کی ترجمانی ان الفاظ مین کرتا ہے:-

"اے عزیز، روشنی چشم ظاہر بین کی سات پردون مین ہے، اور تجلی باری تعالےٰ کہ نور دیدۂ اولیا ہے، ستر ہزار پردے مین ہے، اگر یہ ارادہ ہے کہ وہ پردے درمیان سے اُٹھین تو پہلے اس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب بیچ سے اُٹھا کر اسکو بس مین کر کہ وہ لعین اپنی کجروی کو چھوڑ کر محمودہ کے مقام مین پہنچائے، لیکن یہ بات یاد رکھ کہ اگر دیو سے الٹا کیجئے تو بیدھا پڑے۔" (صفحہ ۲۲)

تزکیۂ نفس و عرفان حق کی اس سے واضح تر تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے؟

(۳) پھول تاج الملوک کے ہاتھ لگ گیا ہے، بادشاہ کی آنکھین روشن ہو گئین ہین، ادھر بکاولی خواب سے بیدار ہوتی ہے، اور پھول کو غائب پاکر سخت مضطرب ہوتی ہے، ساتھ ہی اُسے پھول چرانے والے سے غائبانہ عشق بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور خود تاج الملوک بھی اسے محو خواب دیکھکر اسپر دل و جان سے عاشق ہو چکا ہے، بکاولی اپنے پھول اور اپنے دل کے چور کی تلاش مین نکلتی ہے اور اگر بادشاہ کے ہان خواصون مین داخل ہوتی ہے، یہان اسکی نظر چار دن بڑے شاہزادون پر

پڑتی ہے، مگر اسکا دل کسی پر نہین جمتا، اسے یقین ہے کہ اُسکے دل کا چرانے والا کوئی اور ہی ہے اور وہ اُسکے انتظار مین رہتی ہے، گویا عاشق مطلوب بن جاتا ہے، اور معشوق طالب، ان واردات قلب کی تصویر مصنف کا حقیقت شناس قلم کس خوبصورتی سے کھینچتا ہے:-

"سبحان اللہ، کیا اُلٹی بات ہے کہ معشوق طالب عاشق کا ہو اور عاشق اسکا مطلوب، لیکن نظر تحقیق سے جو غور کرے تو سیدھی لگے، کیونکہ جب تک معشوق کو خواہش عاشق کی ہو اُسکی چاہت اکارت ہے اور کوشش بیفائدہ، آتش طلب کی جو عاشق کے گریبان سے مشتعل ہے فی الحقیقت لگائی ہوئی معشوق کی ہے، ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

بات بڑھ گئی، قلم کہتا ہے اے شخص بس کر مین نے لکھنے مین بہت ہی کوشش کی اور ہاتھ اپنی سعی کے دعوی کرتے ہین کہ قلم نے کیا کیا ہم نے لکھا، بازو اپنے تردد کا دم مارتا ہے کہ دست و قلم سے کیا ہوا، جو کچھ کیا مین نے کیا، غرض اسی طرح اسباب تحریر کے بڑھے، اور ایک کو ایک پر فوقیت ہوتی گئی، دفعتہً ایک سبب ایسا پایا گیا کہ وہ محتاج کسی سبب کا نہ تھا، پس اے عزیز اگر کو تباوے کہ فی الحقیقت لکھنے مین کسکی سعی ہے، اور ظاہر مین کسکی تو مین بھی عاشق اور معشوق کی سعی کا جواب دون" (صفحہ ۳۲، ۳۳)

کیا عام مغربی افسانون مین مجاز سے حقیقت کی طرف عطف توجہ کی مثالیں ملتی ہین؟

(۴) تاج الملوک نے اپنے والد کی سرحد حکومت سے متصل دیوون کی مدد سے ایک جنت نظیر شہر آباد کیا ہے، بادشاہ اپنے سفیر کو دریافت حال کے لئے بھیجتا ہے، تاج الملوک اس خلق و ملاطفت سے گفتگو کرتا ہے کہ بادشاہ کو خود اس اجنبی فرمان روا کے ہان جسے وہ ابتک اپنا حریف سمجھ رہا تھا، بطور مہمان آنیکی ترغیب ہوتی ہے، یہان پہنچکر وہ اپنے سعادتمند

فرزند کو پہچانتا ہے، اُسے سینہ سے لگاتا ہے، اور چارون بڑے لڑکون کو جنھون نے ابتک تاج الملوک کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے تھے، سخت سزا دیتا ہے، اس باب کے خاتمہ پر جو رشحات معرفت مصنف کے قلم سے ٹپکے ہین، انکا نمونہ ملاحظہ ہو: -

"اے عزیز، تیری عزت بادشاہ[ف] کے دربار مین تیری خدمت کے موافق ہوگی چاہئیے کہ شاہزادے کے مانند کار شائستہ کرے، تو تیری محبت شاہ کے دل مین موثر ہو اور پیغام اپنی ملاقات کا تجھے بھیجے، بلکہ بیباکانہ آپ ہی تیرے پاس چلا آئے، اور بے اختیار تیرا سر اپنی چھاتی سے لگالے، اگرچہ پہلے دیدار کے لائق نہو، لیکن آخر کار اسی مقام مین آپکو پہنچائے کہ وہان تیرا کوئی شریک نہو سکے، پھر ایسا کام نہ کیجئو کہ شاہزادون کے مانند داغ لعنت اُٹھائے، اور کس و ناکس کے روبرو رسوا ہو"

ڈکنس و تھیکرے کے شیدائیون کو افسانہ گوئی کے درمیان یہ درویشانہ صدائین سخت نامانوس اور بے محل معلوم ہوتی ہونگی،

(۵) تاج الملوک کو ایک طلسمی عصا و کلاہ ہاتھ لگ جاتے ہین جنمین اسے ہر قسم کے گزند سے محفوظ رکھنے کی قوت ہے، وہ ایک خوش منظر چشمہ کے کنارہ انہین علحدہ رکھکر غوطہ لگاتا ہے، لیکن جب سر نکالتا ہے تو اپنے تئین عورت پاتا ہے، ایک زمانہ عجیب قسم کے مصائب مین گذرتا ہے، اسکے بعد پھر ایک حوض مین غوطہ لگاتا ہے، اور اب کی جو سر نکالتا ہے تو پھر اپنے تئین صورت اصلی مین پاتا ہے، اب دیکھو کہ ان شعبدہ بازیون کے پس پردہ مصنف کس طرح جمال حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہے،

"اے یاران دہر، حق تعالے نے بنی آدم کے سر پر کرامت کی ٹوپی پہنا کر اور عصمت کا عصا ہاتھ مین دیکر طلسم گاہ دنیا مین کہ مزرع آخرت ہے، عاقبت کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے، پس انسان کو چاہیئے کہ گل و خار اور آب و سراب خوب پہچانے، ہر ایک باغ کے پھول کو نہ سونگھے، ہر ایک نہر سے گھڑا نہ بھرے، کہ یہان کانٹے گل سے رنگین اکثر ہین، اور سراب بصورت آب ادہر اُدہر ہے،

اے عزیز، اگر گوہر دنیا کے لینے کو چشمۂ جہان مین غوطہ ماریگا، مقرر اپنا کلاہ اور عصا کھو دیگا، یہ حکم اس بات پر ہے کہ طالب دنیا مونث ہین، اور طالب مولی مرد ہین، تیرا پیکر معانی جو مانند مرد کامل ہے، بصورت زنان ناقص العقل ہو جائیگا، پس اسوقت شکیبائی کے سوا کچھ چارہ نہین ہے، چاہیئے کہ دم بخود ہوکر پھر دریاے ذکر الٰہی مین غوطہ مارے، اسکے بعد جو سر اُٹھائیگا، وہی عصا ہاتھ مین اور وہی ٹوپی سر پر دیکھیگا" (صفحہ ۵۵)

کیا جو کتاب اس قسم کی تعلیمات سے لبریز ہو، وہ اسی بے وقعتی و تحقیر کی مستحق ہے جو اُسکے ساتھ برتی جارہی ہے؟

(۶) تاج الملوک بکاولی کی خالہ زاد بہن کو قید شدید سے نجات دلاتا ہے، جس سے اسکی مان (بکاولی کی خالہ) قدرتاً اُسکی نہایت ممنون ہوجاتی ہے، اور وہ اپنی بہن جمیلہ خاتون (والدۂ بکاولی) سے سفارش کرتی ہے کہ بکاولی کو تاج الملوک کے عقد مین دیدیا جائے، جمیلہ خاتون کہتی ہے کہ انسان اور پری کا کیا جوڑ؟ اسکے جواب مین اسکی بہن شرف ہستی انسانی پر ایک خطبہ دیتی ہے:

"تو سچ کہتی ہے، لطیف کو ہم صحبت کثیف کرنا البتہ دانائی سے بعید ہے، لیکن تو حضرت انسان کے کمالون سے اگر واقف ہوتی تو ایسے ایسے خیال فاسد دل مین ہرگز نہ لاتی، سُن اے نادان، بشر خلیفۂ یزدان ہے، اور اُسکی صنعت بے پایان مین اشرف

ف "بادشاہ" سے ظاہر ہے کہ یہان بادشاہ حقیقی مراد ہے،

وافضل ہے، اُسکے رتبون اور درجون کی انتہا نہین، وہ ایک نہنگ ہے دریا کا بہنے والا اور ایک قطرہ ہے حقیقت مین دریا، جامع ہے کمالات علم کونی و الٰہی کا یعنی مادیت اور مجردات کا، اور مجمع ہے مراتب بندگی اور بادشاہی کا، ؎

انسان کی ذات برزخِ جامع ہی بیگمان
ظلِّ خدا وصورت خلق اسمین ہی عیان

جان، کہ صوفیہ ہر ایک کو عالم ارواح کے نوعون مین سے باری تعالیٰ کے ایک ایک اسم اور صفت کا مظہر خاص جانتے ہین، اور اس عالم صورت کو کہ حواس ظاہری اور باطنی سے نسبت رکھتا ہے، اس عالم کا سایہ، پس ہر ایک ذرہ فرد کائنات سے روشن ایک تجلی ابدی، اور سیراب ایک قطرہ سرمدی سے ہے، ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست از معرفت کردگار

اس عالم مین انسان کہ سارے افراد کون و فساد اُسکے لازمی ہین، خدا کے سارے اسمون اور صفتون کا مصدر ہے، اور اُسکی تجلیات خاص کا مقام، کلام فضیلت انسان مین دریائے بے پایان ہے، اسقدر پر اکتفا کیا۔" (صفحہ ۶۳)

اس عبارت کو اگر شرح مثنوی مولانا روم، یا پھر حدیقۂ سنائی یا تحفۃ الاحرار جامی مین سے کسی کی جانب منسوب کردیا جائے تو شاید کسی کو وجہ انکار نہ پیدا ہوسکے ؟

(۷) سنگلدیپ کے راجہ کی لڑکی تاج الملوک کے حسن پر عاشق ہوتی ہے، راجہ چاہتا ہے کہ اُسے اسکے عقد مین دیدے، لیکن خود تاج الملوک جسکی آنکھون مین بکاولی کی تصویر پھر رہی ہے اُسے کسی طرح قبول نہین کرتا، راجہ برافروختہ ہوتا ہے، وزیر کسی حکمت سے تاج الملوک کو گرفتار کرکے قید مین ڈالتا ہے، لیکن یہ اسیری اسکی آیندہ مسرتون کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے مشرقی افسانہ نویس اس موقع پر ایک صوفی منش حکیم اخلاق کا لب و لہجہ اختیار کرلیتا ہے

کہتا ہے :-

" سچ ہے کہ جو کوئی حکمت حکیم مطلق کی گوناگون تامل کی نظر سے دیکھے تو کسی چیز کو خالی شر سے نپا دے، اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے، اے عزیز، حق تعالےٰ نے عالم ارواح کو بدن سے رخصت دی ہے، پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت مین روح سے ہی، غرضکہ جو فساد اس عالم کون و فساد مین ہو تو اسکی طرف سے جان لیکن شر نہ سمجھ کہ درپردہ وہ خیر ہی کیونکہ وہان شر کی گنجائش نہین" (صفحہ ۷۶)

الٰہیات کی کتابون مین کیا مسئلۂ خیر و شر کی اس سے کچھ زیادہ توضیح مل سکتی ہے ؟

(۸) راجہ کی لڑکی چترادت اپنے حسن و جمال کی انتہائی تزیین و آرائش کے ساتھ تاج الملوک کے سامنے آتی ہے، لیکن یہ سارے حربے بے اثر رہتے ہین تاہم چترادت کا عشق نمائشی نہین، اُسکی محبت بالکل خالص و بے آمیز ہے، وہ کبتک بے اثر رہتی، بالآخر اسکے جذب صادق کا اثر ہوا، اور تاج الملوک بااین گریز و احتیاط خود بھی متاثر ہوگیا، کوئی دوسرا افسانہ نویس ہوتا تو اس واقعہ کا ذکر کرکے بلا تامل آگے بڑھ جاتا، لیکن ہمارا مصنف اس مقام پر پہنچکر مصنف گلستان بنجاتا ہے، اور سعدی کے لب و لہجہ مین کہتا ہے،

" سن اے عزیز، رسول مقبول صلعم نے عبادت کو بادشاہ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا عجز سے کہا کہ عبادت تیری جیسی چاہیئے، ہم نے نہین کی، پھر کسکا منہ ہے کہ اپنی عبادت پر نازان ہو، بہتر یہی ہے کہ آپکو اسکی محبت کی گھریا مین یہانتک پگھلائے کہ اکسیر کے مانند خاک ہوجائے تا شاہان اکسیر پسند کی آنکھون مین سونے سے زیادہ نظر آئے" (صفحہ ۷۷)

اس واعظانہ و حقیقت سنجانہ انداز بیان پر مغربی افسانہ نویسی اپنے اصول کے لحاظ سے جسقدر بھی حیرت کرے بجا ہوگی،

(۹) تاج الملوک کو چترادت کے ساتھ نکاح کئے ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے، دونون کا ہر وقت ساتھ رہتا ہے، چترادت اپنی نوعمری کے ساتھ حسن وجمال مین یکتا ہے، اور تاج الملوک کو اپنے اوپر فریفتہ کرنے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھتی، پھر بھی اسے چترادت کی طرف مطلق التفات نہین ہوتا، اسلئے کہ اسکی آنکھون مین بکاؤلی بسی ہوئی ہے، مصنف اس واقعہ سے بھی ایک درس معرفت پیدا کرتا ہے،

"اے عزیز، تیرے دل کی آنکھین جب تک اغیار کے حسن کو دیکھنے والی ہین، تجھے یار کی صورت نظر نہین آتی، ہرچند بے پردہ ہو، پہلے خار رغبت اغیار کو دل کی سرزمین سے اکھاڑ کر پھینکدے، پھر گل رخسار یار کو آئینہ دل مین دیکھ لے، اگر تو اپنے گلشن وجود کو بہ نظر تامل دیکھے تو ان مین رنگ و بو کے سوا کچھ نہ پاوے،" (صفحہ ۸۰)

اگر ان پیہم تصریحات کے بعد بھی قصہ بکاؤلی کا شمار ادنیٰ و مبتذل کتابون مین ہے تو معلوم نہین اعلیٰ مضامین کے لئے کیا معیار رکھنا پڑیگا؟

(۱۰) تصوف و الٰہیات سے قطع نظر کرکے کتاب مین جا بجا عشق مجازی کے واردات و کیفیات نفسی سے متعلق بھی نکات موجود ہین، تاج الملوک کا نوجوان وزیر بہرام بکاؤلی کی خالہ زاد بہن روح افزا پر عاشق ہوتا ہے، لیکن خود روح افزا بھی برابر اسکی یاد مین گھلتی رہتی تھی اور بظاہر احوال صورت وصل ناممکن معلوم ہوتی تھی، مصنف اس موقع کو ہاتھ سے نہین جانے دیتا، بلکہ اپنے ناظرین کو اس حقیقت سے روشناس کرتا ہے، کہ

"سچ ہے، جو کوئی دیدۂ غور سے ملاحظہ کرے تو عشق کی بیتابی معشوق مین زیادہ دیکھے یہ وہ گروہ ہے کہ کسی کے گلے مین کمند عشق ڈال کر دور سے اپنے حضور مین کھینچ لے اور کسی کو بدامن ہجرت سے دور پھینکدے،" (صفحہ ۱۴)

اس قسم کے جملہ معترضہ کی مثالین بیشک مغربی لٹریچر مین بھی بکثرت ملتی ہین،

(۱۱) کہین کہین مصنف نے فلسفہ عشق کے نکات کو اپنی زبان سے نہین بلکہ اشخاص افسانہ (ڈکیریکٹرز) کی زبان سے ظاہر کیا ہے، مثلاً ایک مقام پر قصہ یہ ہے کہ بہرام، شہزادی روح افزا کا عاشق اسکی مشاطہ بنفشہ کی مدد سے شہزادی کے کمرہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اپنے درد دل کے ترجمان بعض اشعار آئینہ کی پشت پر لکھ جاتا ہے، دوسرے روز صبح کو جب شہزادی کی نظر اس آئینہ پر پڑتی ہے تو اسکے دل مین شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ کہین یہ حرکت بہرام کی تو نہین لیکن اس شبہہ کو ظاہر بھی نہین کرسکتی، آخر اس نے مشاطہ سے مخاطب ہو کر کہا،۔

"اے بنفشہ، جو چیز ہمیشہ ہے وہ کیا ہے، اور جو شے مدام غم کے ساتھ ہے کون شے ہے؟"

اس (بنفشہ) نے ہرچند غور کیا، لیکن جواب معقول نہ سوجھا عرض کی کہ اسکا جواب لونڈی کل دیگی، اسوقت معاف کیجئے، یہ کہکر گھر آئی، مگر اس پہیلی کے بوجھنے مین نہایت متفکر تھی، اسکی گھبرائی صورت بہرام نے دیکھکر پوچھا کہ بوا آج اتنی بیحواس کیون ہو، تب بنفشہ نے سوال روح افزا کا اسکے سامنے بیان کیا، اور کہا مجھکو اسکے سوا کچھ جواب نہین سوجھتا کہ "اس حکیم مطلق کا نیرنگ دوام ہے، اور شادی غم سے وابستہ مدام ہے"، بہرام نے یہ سُن کر کہا "اس سوال کا یہ جواب ہرگز نہین، بلکہ یہ ہے کہ جس عاشق کے منہ پر معشوق کے ہاتھ کے طمانچے لگے ہین وہ ہمیشہ سرخرو ہے، اور مدام ناخوشی سے تلخکام وہ ہے کہ جسکا مطلوب محجوب ہے، اور وہ ہر ایک کو اپنا محبوب سمجھتا ہے"۔ (صفحہ ۸۶)

(۱۲) بہرام زنانہ لباس پہنکر روح افزا تک تخلیہ مین پہنچتا ہے، بجز اس صورت کے رسائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی، اور یہی تدبیر بالآخر کامیابی و شادمانی کا مقدمہ ثابت ہوئی، نکتہ سنج مصنف اس بات سے بھی ایک بات پیدا کرتا ہے:۔

"فی الواقع جو عاشق کہ معشوق کا رنگ پکڑتا ہے، معشوق خود اسکا عاشق ہوجاتا ہی چنانچہ

پیغمبر خدا صلعم نے بھی اس وضع کا کلام فرمایا ہے، حاصل اسکا یہ ہے کہ خصایل خدا کی

پیروی کرو، تا قربت اس سے حاصل ہو" (صفحہ ۸۷)

(۱۳) روح افزا بہرام کو پہچان کے ڈانٹنا شروع کرتی ہے، کہ غیر محرم مرد ہوکر اس نے اُسکی خلوت سرا مین قدم رکہنے کی کیونکر جرارت کی، اور چاہتی ہے کہ اس گستاخی کی اسکو پوری سزا دے، بہرام عقوبت شاہی کے خوف سے بیہوش ہوجاتا ہے، روح افزا اسے قریب الموت خیال کرکے اپنے رُخ گلفام کی خوشبو سونگہا کر اسے ہوش مین لاتی ہے، بہرام جب غش سے آنکہین کہولتا ہے تو اپنے تئین "جنت نگاہ" و "فردوس گوش" کے عالم مین پاتا ہے مصنف اس واقعہ سے بھی ایک مختصر درس معرفت پیدا ہی کرلیتا ہے:-

"اے عزیز، اگر اپنے نور عقل کو حکمتون سے زیادہ نہ چمکائیگا، تو تجلی یار سے فائدہ نپائیگا،

اگر تو یہ ہستی موہوم نہ چھوڑے تو حیات ابدی کب تیرے پاس آئے، جو راہِ عشق مین آپ سے

نہ گذرا، وہ منزل مقصود مین کب پہنچا" (صفحہ ۸۷)

(۱۴) روح افزا اپنی رسوائی کے خوف سے طلسمی قوت سے مدد لیکر بہرام کو دن بھر قمری کی شکل مین تبدیل رکہتی ہے، اُسکے گلے مین ایک طلسمی لوح ڈالے رکہتی ہے، اور پنجرے کو ہر وقت پیش نظر رکہتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ یہ چرچے سارے پرستان مین ہونے لگتے ہین کہ شب کو ایک آدم زاد کی آمد و رفت روح افزا کے خلوت سرا مین رہتی ہے، عتاب سلطانی نازل ہوتا ہے، اور ہزارہا جاسوس تلاش مین مصروف ہوجاتے ہین جو زمین و آسمان کا گوشہ گوشہ تک چہان ڈالتے ہین لیکن اس پنجرے پر کسی کی نظر نہین پڑتی، اس "مجاز" سے دیکہو، مصنف "حقیقت" کی طرف کیسا موثر عطف توجہ کرتا ہے:-

"اے عزیز، تو عرش پر کسی کے ڈہونڈہنے کا ارادہ رکہتا ہے جو تیرے خانۂ دل مین ہے

اسکی تو تجھے خبر نہین، واہ وا، دور کا وہ بیان، اور نزدیک آپ سے انجان،

کون ہی گھر مین جب اتنی بھی نہین تجھکو خبر | پھر تو یہ کیا جانے گیا ہی اوج بام چرخ پر

(صفحہ ۸۸)

(۱۵) خاتمہ کے قریب، اسی قمری کی اصلیت کہلنے کے ضمن مین مصنف اپنی تمام مجاز طرازیون سے بھی پردہ اُٹھا دیتا ہے، اور ارباب بصیرت کو صاف صاف دکہا دیتا ہے کہ طلسم سے مراد طلسم حیات، طایر سے طایر روح، اور قفس سے قفس وجود ہی، و قس علیٰ ہذا، کہتا ہے:-

"اُسکی کنہ سمجھ لے اے نادان، بہ سبب علاقہ روح سبزہ زار دنیا کی سیر کو آتی ہے،

جب تک یہ مربع طلسم عناصر اُسکے گلے مین پڑا ہے، اور قفس وجود مین طوق بندگی اُسکا

گلوگیر ہے، چشم ظاہر بین مشت خاک کے سوا کچھ نہین دیکہتی، جس دن یہ طلسم ٹوٹ گیا،

کیفیت اُسکی کہل جائیگی کہ وہ کون ہے، اور یہ نیرنگ کیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے

بھی فرمایا ہے کہ جب لوگ آئینگے، اس حال سے آگاہ ہونگے، وجود مطلق ایک دریا ہی اور

ہر موجود مثل حباب ہے، جب حباب سے ہوا نکل گئی، دریا کے سوا کچھ نہین، بس تامل سے

دیکہہ، کہ اصل ہستی دریا کی ہے، لیکن فرق مرتبہ کا البتہ ہے، حباب کو کوئی دریا نہ کہیگا اور

دریا کو حباب اور کعبہ کو قبلہ کہتے ہین، اور بتخانہ کو کنشت، جہنم کو دوزخ اور جنت کو بہشت،

ہر مرتبہ مین اور ہی حکم وجود ہے | زندیق ہی جو حفظ مراتب کرے نہ کو

واقعی مسئلہ وحدت وجود کا مشکل ترین مسایل ہے، اور بہتیرے اس بحر عمیق مین

گر کے مذہب جبری کے بھنور مین جا پڑے، اور اکثر مسلک دہری کے گرداب مین ڈوبے

ہادی یہان فضل الہی اور کرم رسالت پناہی کے سوا کوئی نہین" (صفحہ ۸۹)

قصۂ گل بکاؤلی کا اخلاقی حیثیت سے مشرقی لٹریچر مین کوئی درجہ نہین، اور اگر ہے

تو دہی، جو انگریزی لٹریچر مین رینالڈز کے ناولون کا ہے، با این ہمہ اسکا ایک ایک ورق
رینالڈز کے ہنین بلکہ شکسپیر و ٹسلا کے دفتر تصانیف پر بہاری ہے، اس سے قیاس
ہوسکتا ہے کہ رومی و غزالی، سعدی و حافظ کے مقابلہ مین لانے کے لئے مغرب کو اپنے کسی
فرزند کے نام تلاش کرنے مین کیسی سخت دقت پڑیگی، ایسی حالت مین اگر یورپ مین ڈاروِن
پیدا ہون اور ایشیا مین منصور، تو حیرت نہ کرنا چاہیئے، اُدہر قوت اجتہاد و اکتشاف کا
منتہاے کمال یہ ہے کہ "انسان فی الاصل بندر ہے" اور ادہر انتہاے از خود رفتگی و بدمستی
مین بھی یہ صدا نکلتی ہے کہ "انسان فی الاصل خدا ہے"

حقیقت علم

(نمبر ۲)

ان دونون کیفیتون کی حقیقت پر بحث کرتے وقت سب سے پہلے ہمین یہ ذہن نشین رکھنا چاہیے
کہ حس و تصور مین جو سب سے اہم فرق ہے وہ یہ ہے کہ حس کا شمار ان کیفیات نفسیہ مین ہے جن کا
وجود اسوقت ہوتا ہے جب کسی خارجی مہیج سے ہمارا حاسہ متاثر ہوتا ہے بخلاف تصور کے کہ
اسکی پیدائش کے لیے کسی خارجی مہیج کے تہیج و تاثیر کی حاجت نہین ہوتی اسی سبب سے ہمنے شروع
مضمون مین یہ بات بتادی تہی کہ حسیات و ادراکات کو الگ الگ نوع شمار کرنا چاہیے حسیات
کی پیدائش مہیج خارجی سے ہوتی ہے اور تصور کی پیدائش کو الفت نفسانی کی اندرونی ترتیب سے
لیکن اس فرق کے علاوہ حس و تصور مین بڑا فرق جو ہے وہ یہ ہے کہ حس کے ذریعہ سے
جو ادراک نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ اسقدر قوی اور اسقدر واضح ہوتا ہے کہ نفس کو اوسکا ادراک
کرنے مین نہ کسی واسطہ کی حاجت ہوتی ہے اور نہ نفس کو اوسمین کچھ دشواری پیش آتی ہے،
بخلاف تصورات کے کہ انکے ذریعہ سے نفس کو جو ادراک حاصل ہوتا ہے وہ محسوسات کی طرح
قوی اور واضح نہین ہوتا، یہ بہت صاف بات ہے کہ جب ہم آگ کو چھوکر جلن محسوس کرتے ہین تو
یہ جلن کا احساس اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہم بیتاب ہوکر فوراً اپنا ہاتھ آگ پر سے اٹھا لیتے ہین
بخلاف اسکے اگر ہم اس جلن کا تصور کرین تو اس تصور سے گو ہمکو اس جلن کا ادراک تو
ہوجاتا ہے مگر نہ تو اس جلن سے ہمارے کسی جسمانی عضو یا خود نفس کو کوئی تکلیف محسوس ہوتی ہے
اور نہ ہم اس تصور کے ذریعہ سے اس تکلیف کا پورا اندازہ کر سکتے ہین جو آگ کو چھوتے وقت
ہمکو ہوئی تھی اسی طرح مثلاً اگر ہم غصہ کرین اور پھر حالت سکون مین غصہ کی اس کیفیت کا تصور

کرین تو ان دونون حالتون مین ہکو باعتبار شدت وضعف بڑا محسوس فرق ہوتا ہے گو یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے تصور مین اپنے حس کی پوری پوری نقل اتار لین لیکن باوجود سخت کوشش کے یہ ناممکن ہے کہ اصل کو نقل سے شدت وضعف مین کوئی معمولی مناسبت پیدا ہو، ان

البتہ اگر نظام دماغی مین کسی خاص سبب سے اختلال پیدا ہو گیا ہے تو اسوقت یہ بیشک ممکن ہے کہ انسان اپنے تصور سے بھی اسی شدت کے ساتھ اثر پذیر ہو جس شدت سے کہ وہ اپنے حس سے اثر پذیر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگون کے نظام دماغی مین اختلال پیدا ہو جاتا ہے وہ اکثر ایک معمولی تصور سے بھی ہیجان مین آجاتے ہین بلکہ بعض اوقات یہ ہیجان شدت وقوت مین اس ہیجان سے بڑھا ہوا ہوتا ہے جو اصلی واقعہ سے انکی طبیعت مین پیدا ہوا تھا۔

ان دو فرقون کے علاوہ حس وتصور مین ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ حس حاسہ کے سامنے سے شئی خارجی کے ہٹتے ہی معدوم ہو جاتا ہے مگر تصور اسکے خلاف مدتون باقی رہتا ہے بلکہ بعض اوقات تصور کی شدت اثر مین اسکی مدت قیام سے نمایان فرق پیدا ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ تصورات جو دیرپا ہوتے ہین اپنی مدت قیام کی وجہ سے زیادہ شدید الاثر ہو جاتے ہین یہی وجہ ہے کہ زیادہ دیر تک باقی رہنے والے تصورات سے انسان کی جسمانی اور دماغی تندرستی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔

غرض حس وتصور کے باہمی فرق حسب ذیل نوعیت کے ہوتے ہین جنکو ہم دفعات ذیل مین ترتیب دیسکتے ہین۔

(۱) اختلاف نوعیت۔ یعنی یہ کہ حس ایک خاص نوع کے ادراک کا نام ہے اور تصور ایک دوسری نوع کا ادراک ہے جو حس سے مختلف ہے۔

(۲) قوت وضعف یعنی حس قوی الاثر ادراک کو کہتے ہین اور تصور ضعیف الاثر ادراک کو۔

(۳) اختلاف مدت قیام۔ یعنی دونون کی مدت قیام مین بڑا تفاوت ہوتا ہے حس ناپائدار اور تصور پائدار ہوتا ہے۔

یہ تین قسم کے مجموعی فرق ہین جو تصور اور حس مین پائے جاتے ہین ممکن ہے کہ ان دونون کیفیتون مین اور بھی نفسانی فرق ہون لیکن نفسانی نقطۂ نظر سے انہی فروق کو اہمیت حاصل ہے[۱]

(۲۹) تصور کی وسعت اور اسکے حدود لیکن ان فروق کے علاوہ تصور اور حس کے مابین ایک فرق یہ بھی ہے کہ احساسات گو بیشمار ہین مگر متناہی ہین بخلاف تصورات کے کہ وہ غیر متناہی ہین، احساسات کی تحدید کی متعلق فلاسفہ نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ جو احساسات جس صنف ذی حیات کی صیانت حیات مین معین ہوتے ہین وہ اس صنف کو عطا کیے گئے ہین اور یہ ایک ایسا اصول ہے جسکے مطابق حیات کی طرح ہر صنف ذی حیات کے حواس کی تحدید کا معیار بھی معلوم ہو سکتا ہے، انسان کو سات حواس دیے گئے ہین کیونکہ ان حواس سے زیادہ اور کسی حاسہ کی انسان کو ضرورت نہ تھی لیکن ممکن ہے کہ ہمارے علاوہ کوئی مخلوق ایسی ہو جو اپنے ضروریات حیات کی بنا پر ہم سے زیادہ اور ہم سے قوی حواس کی مالک ہو غرض یہ حیات اور حواس کی تحدید کا ایک معیار اور اصول ہے جو استقرار سے ہمکو معلوم ہوا ہے لیکن تصورات کی تحدید مین یہ اصول بالکل نہین چل سکتا اور اس بنا پر تصورات انسانی کی تحدید بھی نہین ہو سکتی کیونکہ انکا تعلق انسان کی صیانت حیات کے ساتھ ویسا گہرا نہین ہے جیسا احساس کا ہے یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ تصورات غیر متناہی ہین۔

[۱] تصور وحس کے نفسانی فروق کی مزید تفصیل کے لیے دیکھو اسپنسر کی کتاب "اصول اولیہ" کی جلد اول حصہ دوم کا باب دوم اور اسکی دوسری کتاب "اصول علم النفس" ۱۲

لیکن اس لاتناہی کے علاوہ تصورات مین یہ بھی ایک عجیب صفت پائی جاتی ہے
کہ انکی قوت بے پناہ اور زبردست ہوا کرتی ہے یعنی تصور ایک ایسی طاقت ہے جو عجیب سے
عجیب اور تناقض سے تناقض اشیار کو پیدا کر سکتی ہے، وہ ہمکو ایک دم زمین سے آسمان
پر چڑھا لیجا سکتی ہے، دم کے دم مین ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے لامکان اور عالم ملکوت
کی سیر کر سکتے ہین۔ تحت الثری کی بے پایان پستی اور فضا کی لاتناہی بلندی تصور کے
آگے ہیچ ہین، صرف اسیقدر نہین بلکہ ہم تصور کے ذریعہ سے عالم کے اوس حصہ تک بھی پہونچکر
ہین جہان قانون قدرت کا بھی گذر نہین ہو سکتا اور جہان کارخانۂ قدرت تتر بتر نظر آتا ہے،
پھر اسکے علاوہ ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے خود اس عالم مین بھی عجیب عجیب تصرفات کر سکتے
ہین تصور کے تصرف کی ایک سادہ مثال جس سے شاید کسی کو انکار نہ ہو یہ ہے کہ ہم اپنے
تصور کے ذریعہ سے اپنی جسمانی بیماریون کو بعض اوقات دفع کر سکتے اور بعض اوقات
اپنے تئین بیمار ڈال سکتے ہین تصور کا تصرف ہماری جسمانی حالت پر اکثر ہوا کرتا ہے
رعب و خوف اور دیگر کیفیات نفسیہ کی پیدائش کے وقت ہمارے جسم مین جو بعض تغیرات
پیدا ہو جاتے ہین اونکی توجیہ تصور کے تصرف کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟

غرض ہماری ذہنی دنیا بلکہ ہماری حیات کا ایک ایک لمحہ تصور کے تصرفات کی شہادت دیتا ہے
یہانتک کہ ہماری مسرت اور ہمارے الم مین بھی ہمارے تصور کو بڑی مداخلت ہوتی ہے مظاہر
کائنات اور عالم کی بوقلمونی انسان کے تصور پر اپنا اثر کرتی ہے اور اس اثر کی وجہ سے
ہمارے تصور مین بھی بوقلمونی پیدا ہو جاتی ہے ابھی ہم رنجیدہ تھے کہ ہمارے سامنے ایک
ایسا واقعہ گذرا جسپر ہم کھلکھلا کر ہنس پڑے اسطرح کے واقعات ہماری زندگی مین اکثر پیش
آتے ہین لیکن یہ صرف اس واقعہ کا ایک پہلو ہے حقیقت یہ ہے کہ جسطرح واقعات عالم

ہمارے تصور پر اثر کرتے ہین اسیطرح دوسرا جوابی اثر ہمارے تصور کا بھی واقعات عالم پر
ہوتا ہے یہ ہمارے تصور ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ ہم جس رنگ مین واقعات کو دیکھتے ہین
ان واقعات سے اسی قسم کا اثر ہمارے نفس پر مترتب ہوتا ہے مسرت والم در اصل نفسانی
کیفیتین ہین عالم کی کوئی چیز نہ اپنے اندر سامان مسرت پنہان رکھتی ہے اور نہ سامان الم یہ
صرف ہمارا تصور ہی ہے جو عالم کی اشیار کو ان دو مختلف رنگون مین ہمارے سامنے پیش کیا
کرتا ہے، ہم جس چیز سے جو اثر حاصل کرینگے اسی اثر کے رنگ مین ہمکو وہ چیز رنگی ہوئی نظر
آئیگی پس عالم کی بوقلمونی اور کائنات کے متنوع حالات کے اندر زندگی بسر کرتے ہوے
انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے تصور پر قابو رکھے اور اپنے تصور کو مطلق العنان نہ چھوڑے
انسان اپنی سعادت اپنے باہر ناحق ڈھونڈھتا ہے حالانکہ اسکی سعادت خود اس کے اندر
موجود ہے انسان اپنی راحت اور عیش کے سامان دنیا کی چیزون مین ناحق تلاش کرتا ہے،
حالانکہ تمام حظوظ و آلام اور تمام نیکیون اور برائیون کا سرچشمہ خود انسان کا تصور ہے

غرض تصور ایک عجیب طاقت ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہے دنیا کی تمام چیزین
اس طاقت کے ذریعہ سے انسان کے قبضہ مین آجاتی ہین اور انسان کی زندگی کا ہر لمحہ
تصور کی ہمہ گیری اور اسکی عالمگیر وسعت و قوت کی شہادت دیتا ہے انسان کے ان
روزمرہ حالات کے علاوہ انسان کی دماغی ترقی مین بھی تصور کا بڑا اثر ہوتا ہے تم ایک
ایسے عالم کا اپنے ذہن مین تصور کرو جو ارضی و سمادی اشیار کے حالات و خواص کا علم
رکھتا ہے اور اپنے اس علم سے خلق اللہ کو نفع پہونچاتا ہے پھر اسکے مقابل تم افریقہ کے
اس وحشی کو دیکھو جسکا ذہن اپنے آس پاس کی چیزون سے آگے نہین بڑھ سکا ہے ان
دونون مین تمکو نمایان فرق نظر آئیگا پھر اسکے علاوہ اگر تصور کی طاقت انسان کے قبضہ

مین نہوتی تو غالباً انسان تہذیب و تمدن مین اتنی عظیم الشان ترقی کبھی نہ حاصل کرسکتا جو آج اسنے حاصل کرلی ہے دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہین جسمین تخییل کی حاجت نہ پڑتی ہو شاعری، لٹریچر، فنون لطیفہ، تاریخ، فسانہ نگاری، مذہبی ترغیب و ترہیب، منطق، فلسفہ، سائنس، کیمسٹری، علم النباتات، علم طب، غرض دنیا کا کوئی علم و فن ایسا نہین جو تصور و تخییل سے بے نیاز ہو عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ سائنس و فلسفہ یعنی علوم ذہنیہ تخییل سے بے نیاز ہین اور تخییل کی حاجت صرف شاعری اور فسانہ نگاری مین ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ارسطو قوت تخییل سے کام نہ لیتا تو وہ منطق کے اصول کبھی مرتب نہین کرسکتا تھا سر اسحٰق نیوٹن کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز وہ اپنے باغ مین سیر کررہا تھا اوس نے دیکھا کہ ایک پھل ایک درخت سے ٹوٹ کر زمین پر آرہا بظاہر کچھ یہ واقعہ عجیب نہ تھا لیکن فوراً اسکے ذہن مین یہ واقعہ دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ تمام چیزین زمین کی جانب مائل ہوتی ہین ایک ڈھیلے کو اگر تم اچھالو تو وہ اوپر جانے کے بجاے زمین پر آرہے گا یہ خیال آتے ہی اسنے فوراً جذب و کشش کے مسئلہ کی تحقیقات شروع کردی دراصل یہ تخییل کا اثر تھا جسکے باعث اسکے ذہن کو ایک معمولی جزئی واقعہ کے دیکھنے سے اس حیرت انگیز مسئلہ کی جانب تبادر ہوا جسنے طبعیات مین انقلاب پیدا کردیا حاصل یہ کہ تصور کی قوت انسان کی نفسانی اور جسمانی زندگی مین حیرت انگیز اثر کرتی ہے اور یہی قوت ہے جو درحقیقت استدلال، نظر و فکر، استقرار اور تجربہ کی بنا ہے۔ اور اس قوت سے انسان کبھی بے نیاز نہین ہوسکتا۔

لیکن اس ساری تقریر کا تعلق صرف اس حقیقت کے اثباتی پہلو کے ساتھ ہے اور تاوقتیکہ ہم اس حقیقت کے منفیانہ پہلو پر بھی نظر نہ ڈال لین اسوقت تک تصور کی وسعت کے

بارے مین ہمارا فیصلہ نامکمل رہیگا حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی شی غیر متناہی نہین ہوسکتی اور کارخانہ قدرت مین لاتناہی کی کوئی مثال نظر نہین آتی اور اس بنا پر باوجود تصور کی اتنی زبردست قوت کی یہ ضروری ہے کہ اسکی کوئی حد و انتہا بھی ہو اس مسئلہ کے منفیانہ پہلو کر اسی حد و انتہا کا پتہ لگتا ہے اور اس لیے ہمین اس حقیقت کے دونون پہلوؤن پر نظر ڈالنا چاہیے تاکہ واقعہ کے دونون رخ ہماری نگاہ کے سامنے آجائین۔

حقیقت یہ ہے کہ گو ہم اپنے تصور کے ذریعہ سے آن دیکھی چیزونکو دیکھتے اور آن گنت چیزونکو پیدا کرلیتے ہین لیکن تصور کی اتنی وسعت و ہمہ گیری کا خیال بھی مبالغہ سے خالی نہین ہے اگرچہ ایسی بہت سی چیزین ہین جنکو نہ ہمنے کبھی دیکھا اور نہ کبھی سنا ہے اور باوجود اسکے ہم برابر انکا تصور کرتے ہین ہم نے لنڈن گو خود نہین دیکھا مگر اپنے ذہن مین ان واقعات و حالات کی بنا پر جو ہمنے کتابون مین پڑھے اور دوسرون سے سنے ہین اسکا تصور کرسکتے ہین لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر زیادہ غور سے دیکھو تو نظر آئیگا کہ ہمارے تمام تصورات کی بنا ہمارے کسی نہ کسی حاسہ کی کسی نہ کسی شہادت پر ہوا کرتی ہے اور ایسی چیزین جو خود ہمارے یا ہمارے ہی ایسے کسی دوسرے ذی حس دماغ کے تجربہ حسی مین نہین آتین ان کا ہم تصور بھی نہین کرسکتے ہین چھوٹے بچے یا اون لوگون کو دیکھو جنہین لذت جماع کا تجربہ حسی کبھی نہین ہوا انکے ذہن مین کبھی اسکا ادنیٰ تصور بھی پیدا نہین ہوتا۔ یہ راقم حروف کا اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ اسکے ذہن مین کبھی ان چیزون کا تصور نہین پیدا ہوتا جو اسکے تجربہ حسی (جسمین سماعت بصارت اور تمام حواس کا تجربہ شامل ہے) کے تحت مین کبھی نہین آئین یہ نظریہ چونکہ معرکۃ الآرا ہے اسلیے اپنے باطن کی شہادت اور مطالعۂ ذہن سے قطع نظر کرکے ہم مندرجہ ذیل دلائل بھی اپنے دعوی کے ثبوت مین پیش کرتے ہین: ہمارا دعوی یہ ہے کہ انسان کے ذہن مین کبھی

اوس چیز کا تصور نہین پیدا ہو سکتا جسکا تجربہ حسی اوسکو کبھی نہین ہوا ہے اس دعوی پر ہمارے پاس پہلی دلیل یہ ہے کہ۔

(۱) انسان کے جتنے تصورات ہوتے ہین بسائط سے لیکر مرکب اور پیچیدہ تصورات تک ان سب کی تحلیل اگر کیجائے تو انکی انتہا حسیات پر ہوتی ہے اور ہمکو انکی تحلیل کرنے سے نظر آتا ہے کہ ان تصورات کی پیدائش کی باعث چند حسی کیفیات نفسیہ ہین جو پہلے ذہن مین پیدا ہو چکی ہین اس نفسانی اصول کی ایک سادہ مثال ہم نے کیفیت حس کے تفریعات کے ضمن مین یہ دی تہی کہ مثلاً ایک کلیہ یہ ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے ظاہر ہے کہ یہ علم انسان کو کسی حاسہ سے حاصل نہین ہوتا یہ علم نہ ہمنے قوت باصرہ سے حاصل کیا ہے اور نہ قوت سامعہ اور نہ کسی اور حاسہ سے اور اس بنا پر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ علم اپنی پیدائش مین حسیات ماسبق کا محتاج نہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس علم کی بنا بہی بسیط احساسات پر ہے اور اگر یہ احساسات ہمین نہ حاصل ہو چکے ہوتے تو یہ علم ہمکو کبھی نہین حاصل ہو سکتا تھا دیکھو ہمارا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ ہمنے کبھی شیرینی کو تلخی کے ساتھ، پستی کو بلندی کے ساتھ، خوشبو کو بدبو کے ساتھ، اور سیاہ رنگ کو سپید رنگ کے ساتھ، جمع ہوتے نہین دیکھا اور ہمارے تجربہ حسی مین کبھی یہ بات نہین آئی کہ وہ دو متبائن کیفیتین جنکا ادراک ہمین مختلف حواس سے ہوتا ہے یکجا جمع ہوتی ہون اس بنا پر ہم نے ان مختلف حسیات اور تجربات کو ایک کلیہ کے تحت مین لاکر ان سب کیفیات کے لیے بحیثیت مجموعی یہ حکم ثابت کر دیا کہ اجتماع ضدین محال ہے۔ اسیطرح مثلاً اقلیدس کے جتنے علوم متعارفہ ہین وہ بھی تحلیل ہو کر حسیات ہی پر آکر ٹھہرتے ہین مثلاً یہ ایک علوم متعارفہ ہے کہ ہر کل اپنے جزء سے بڑا ہوتا ہے اس قضیہ کے متعلق بہی یہ خیال ہوتا ہے کہ اسکا ادراک کسی حاسہ سے نہین ہوتا حالانکہ واقعہ یہ ہے

کہ اس قضیہ مین کل کے لیے اعظمیت کا جو حکم ہمنے ثابت کیا ہے وہ درحقیقت کل کے تصور کا ایک جزء ہے کل کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو جزء سے بڑا ہو پس در اصل اعظمیت کل کی حقیقت سے خارج نہین ہے اور کل و جزء کا تصور ہمکو اپنے تجربہ حسی کی بنا پر ہوا ہے وہ دو خطوط مستقیمہ جنمین سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو ہم اپنے سامنے کسی سطح پر کھینچ کر کل کی اعظمیت اور جزء کی اصغریت کا تجربہ حسی ہر وقت کر سکتے ہین اور اس قسم کی چھوٹی بڑی چیزین جو ہمارے ذہن مین اس تصور کی پیدائش کی باعث ہوتی ہین انکا تجربہ حسی ہمین اکثر اپنی روزانہ زندگی مین ہوتا رہتا ہے۔

اسی طرح وہ تمام امور غائبہ جنکا تجربہ حسی بظاہر ہمکو اپنی روزانہ زندگی مین نہین ہوتا انپر بہی ہم محض اسیوجہ سے ایمان رکھتے ہین کہ ہمین انکا خود یا انکے نظیر کا تجربہ کسی نہ کسی رنگ مین اپنی روزانہ زندگی مین ہوتا رہتا ہے اور اگر ہمین انکا تجربہ نہ ہوا ہوتا تو کبھی انکا تصور ہمارے ذہن مین نہین پیدا ہو سکتا تھا ان تصورات کی بھی تحلیل جسوقت کی جاتی ہے تو انکی بھی انتہا تجربہ حسی پر ہوتی ہے خدا کی ذات و صفات پر ہم اسوجہ سے ایمان رکھتے ہین کہ ان صفات کو ہم خود اپنے اندر پاتے ہین اور اسی مثال اور نمونہ کو پیش نظر رکھکر ہم ایک ایسی ذات کا تصور کرتے ہین جو تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے مثلاً ہم کہتے ہین کہ خدا قدیر ہے یہ خیال ہمارے ذہن مین کیون پیدا ہوتا ہے محض اسلیے کہ ہم خود اپنے اندر قدرت کا مشاہدہ کرتے ہین اور اپنے تئین اس صفت سے متصف پاتے ہین اور قدرت کے اسی ناکمل نمونہ کو پیش نظر رکھکر ہم ایک ایسی ذات کا تصور کرتے ہین جسکی قدرت ہم سے ارفع اور بالاتر ہوتی ہے حاصل یہ کہ ہم مثلاً خدا کے اوصاف پر محض اسلیے ایمان رکھتے ہین کہ ان صفات کے ادنی ناکمل نمونے کا ہم خود اپنی ذات کے اندر

مشاہدہ کرتے ہین اور اس ناکمل نمونے کے مشاہدہ سے ہمارے ذہن مین مکمل اوصاف کا تصور پیدا ہوتا ہے لیکن اگر ہم ان اوصاف کا اپنی ذات کے اندر مشاہدہ نکرتے ہوتے تو ایک ایسی ان دیکھی ذات کا تصور جو تمام اوصاف کی جامع ہو ہمارے ذہن مین کبھی نہ پیدا ہوتا یہی تمام مثالین ہین جنسے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بسیط تصورات سے لیکر مرکب تصورات تک کبھی ہمارے ذہن مین اسوقت تک پیدا نہین ہوسکتے جبتک وجود خارجی مین کسی نہ کسی رنگ مین انکا تجربۂ حسی ہمکو نہوا ہو لیکن ان مثالون کے علاوہ ادراکات کی بعض مثالین ایسی ہین جنکے متعلق بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکی تحلیل کرنیسے انکی انتہا حسیات پر نہین ہوتی اور جو بظاہر اس کلیہ سے مستثنیٰ نظر آتی ہین کہ تمام تصورات اپنی پیدائش مین اپنے احساسات ماسبق کے محتاج ہوتے ہین انہین مثالونکو دیکھکر بعض فلاسفہ یہ کہنے لگے ہین کہ بعض اشیاء ایسی ہین جنکا ادراک ہمین اپنے حواس سے نہین ہوتا بلکہ یہ ادراکات ہمکو خدا کی طرف سے عطا ہوتے ہین اس قسم کے ادراکات کی تحدید فلاسفہ نے کلیت اور وجوب کے ادراکات مین کی ہے یعنی وہ یہ کہتے ہین کہ اپنی روزانہ زندگی مین ہمارے حاسہ کے سامنے سے کبھی وجوب اور کلیت کی مثالین نہین گذرتین اور اس بنا پر وجوب وکلیت کے ادراکات ان فلاسفہ کے نزدیک تجربۂ حسی سے بالا اور محض خدا کے عطا کردہ ہین۔ (باقی آیندہ)

سلطنت اسلام کا خراج

انتہائے عروج کے زمانہ مین

(از پروفیسر جمیل الرحمن ایم۔ اے، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

کسی سلطنت کے محصول اراضی (خراج) کے اعداد وشمار، اگر معلوم ہوسکین تو ان سے دو باتین حاصل ہوتی ہین۔ اول تو اس بات کا تقریباً صحیح اندازہ لگ جاتا ہے کہ سلطنت کے ذرائع آمدنی کیا تھے اور دوسرے اس سے ملک کی زراعتی حالت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان دونون باتون کے معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی خوشحالی یا مفلسی کا حال کھلجاتا ہے کسی قوم کے ذرائع آمدنی اور اسکے کارنامون کا دار ومدار تمامتر اسکی آزادی پر ہوتا ہے۔ اگر ہم کو کسی ملک کے مختلف زمانے کے محاصل اراضی کے اعداد وشمار کا پتہ لگ سکے تو ہم نہایت آسانی سے آئی حکومت کی پالیسی کا اندازہ لگا سکتے ہین۔ کہ آیا انکے حکمرانون نے ملک کی فلاح وبہبودی مین اتنا حصہ لیا جتنا کہ لینا چاہیے تھا یا نہین۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ باوجود اسکے کہ سلطنت بالکل برباد ہوچکی ہو شاہی دربار کے تزک واحتشام مین کوئی فرق نہین پڑتا۔ اور چونکہ مورخ عام طور پر ملک کی خوشحالی یا افلاس کا اندازہ شاہی دربار سے کیا کرتے ہین۔ اس لیے ہمیشہ غلطی ہوتی ہے۔ اور اس بات کا صحیح اندازہ نہین لگ سکتا۔ لوئی چہاردہم شاہ فرانس کے زمانے مین ایسی ہی غلطی ہوئی تھی،

ہمارے خیال مین یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ ہم خلافت عباسیہ کے خراج کی اہمیت کو ظاہر کرین۔ انکی خلافت زمانۂ وسطی اور زمانۂ جدید کے درمیان کا وقت ہے۔ اور اسی وجہ سے انکے خراج سے ہم کو یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ ممالک جو آجکل بالکل ویران اور برباد

پڑے ہوے ہین۔ ان کے زمانے مین کس درجہ شاداب اور سرسبز تھے۔ اور اگر کوشش کیجاے تو پھر ویسے ہی سرسبز اور شاداب ہوسکتے ہین،

عربون نے سلطنت قائم کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ محاصل سلطنت کی طرف خاص توجہ کی اور اسکو تقریبًا علم ادب کا ایک حصہ بنادیا۔ دوسری صدی ہجری کے آخر یا تیسری صدی کے شروع ہی مین مختلف بڑے بڑے شہرون کے متعلق ایسی کتابین موجود تھین جو گائڈ کا کام دے سکین۔ ان مین ان شہرون کے اور عجائبات کے علاوہ ان کے محاصل اراضی۔ کارخانجات۔ پیداوار۔ جہازون کی آمدورفت وغیرہ کا مکمل حال لکھا جاتا تھا اس قسم کی ایک کتاب (کتاب البصرۃ) عمرؓ ابن شبہ نے بصرہ کے متعلق لکھی تھی۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ ایسے گائڈ مکہ اور کوفہ کے متعلق بھی دستیاب ہوتے تھے۔ اور مشرق و مغرب مین عام طور پر لوگ انکو استعمال کرتے تھے۔

حضرت سرور کائنات کی وفات کے بعد جب عربون نے اپنے ریگستانون سے نکلکر بیرونی ممالک پر فوجکشی شروع کی تو وہ حملہ کرنے سے پہلے ہمیشہ اپنے دشمنون کے سامنے تین شرطین پیش کیا کرتے تھے۔ (۱) یہ کہ مسلمان ہوجائین۔ اس صورت مین انکے حقوق عربونکے برابر ہوجاتے تھے۔ اور ہر قسم کی تفریق اُٹھ جاتی تھی۔ (۲) یا جزیہ اور خراج دینا قبول کرین یعنی بغیر لڑے اطاعت قبول کرلین۔ اور اگر یہ بھی منظور نہو تو (۳) لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوجائین۔ تیسری حالت مین تمام مفتوحہ آبادی اور انکا مال و متاع مسلمانون کی غنیمت شمار ہوتا تھا۔ اور وہ انکے مالک ہوجاتے تھے۔ مگر عام طور پر ان مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا بُرا سلوک نہین کیا جاتا تھا جس کے کہ وہ مستحق تھے۔ ان کے مردون کو قتل نہ کیا جاتا تھا۔ اور

لہ کتاب المسالک الممالک۔ لابی القاسم ابن حوقل۔ مطبوعہ لیڈن۔ صفحہ ۱۶۲ سنہ ۱۸۷۲ء

انکی عورتین اور بچے آزاد رہتے تھے، وہ مسلمانون کے ذمی بنجاتے تھے، بشرطیکہ وہ جزیہ اور خراج برابر ادا کرتے رہین۔ ان کی مقدار کا فیصلہ عام طور پر ہر ایک مفتوحہ علاقے کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہوا کرتا تھا۔ اور فیصلہ کے بعد اس مقدار مین کوئی تغیر و تبدل نہین ہوسکتا تھا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے مین جب سواد کا علاقہ فتح ہوا تو سب سے پہلے اسس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اس کے خراج کا انتظام کیا جاے۔ چنانچہ جو انتظام حضرت عمرؓ نے اس علاقے کے خراج کا کیا وہی آیندہ دوسرے بادشاہون کے لیے نمونہ کا کام دیتا رہا۔ حضرت عمرؓ سے اصرار کیا گیا کہ سواد کے علاقے کو مسلمانون کی فاتح فوج مین اور مال غنیمت کی طرح تقسیم کردین مگر انھون نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ "اگر مین اس علاقے کو اسوقت تقسیم کردون تو مسلمانون کی آیندہ نسلون کی حق تلفی ہوگی۔ اور تم لوگ فارغ البال ہوجانے کی وجہ سے جہاد مین حصہ نہ لوگے لیکن اگر مین یہ علاقہ ان ہی لوگونکے ہاتھ مین چھوڑ دون۔ تو ہماری سرحد دشمنون کے حملہ سے محفوظ رہیگی۔ اور ہمکو سامان حرب اور رسد برابر وصول ہوتی رہینگی، اسی بنا پر انھون نے تمام زمین کو اسکے پرانے مالکون کے ہاتھ مین چھوڑ دیا اور خراج کا انتظام کیا۔

تمام سواد کے علاقے کی مردم شماری کی گئی اور کل (۵۰۰۰۰۰)[1] شخص جن مین بچے اور عورتین شامل نہ تھین ایسے نکلے جنپر جزیہ لگایا جاسکتا تھا۔ چنانچہ دولتمندونپر بحساب (۴۸) درہم فی کس سالانہ۔ متوسط الحال لوگون پر (۲۴) درہم اور غربا پر (۱۲) درہم جزیہ لگایا گیا۔ سواد[2] کی باقاعدہ پیمایش کی گئی۔ اسکا طول علث سے عبادان تک

لہ ابن حوقل۔ صفحہ ۱۵۸۔ کتاب المسالک والممالک لابن خرداذبہ مصححۂ ڈی غویہ۔ لیڈن ۱۸۸۹ء صفحہ ۱۴

ٹہ ابن خرداذبہ صفحہ ۱۴۔ ابن حوقل صفحہ ۱۵۷ (نوٹ)

(۱۲۵) فرسنگ اور عرض حُلوان سے عُذَیب تک (۸۰) فرسنگ تھا۔ اس طرح اس علاقے کا
رقبہ (۳۶۰۰۰۰۰) جریب تھا۔ ہر جریب پر جس مین گندم کاشت ہو (۴) درہم خراج لگایا گیا
جو پر فی جریب (۲) درہم، کھجور پر (۸) درہم، ایسے باغون پر جنکی زمین کاشت نہوتی ہو (۶)
درہم فی جریب اور دیگر سبز میوے اور ترکاری پر (۶) درہم فی جریب خراج مقرر کیا گیا۔
گھاس پر اور ایسی چیزون پر جو جلد خراب ہو جائین خراج نہین لگایا جاتا تھا۔ دیگر اشیاء
پر بھی اسی وقت خراج لگایا جاتا تھا جبکہ زمین کی پیداوار کم از کم (۱۸) سیر ہو۔ اگر زمین
قابل کاشت نہو تو مالک زمین خراج ادا نہ کرتا تھا۔ اگر آب پاشی بذریعۂ انہار کی گئی ہو تو
نصف خراج لیا جاتا تھا۔

یہ تھے مختصراً وہ اصول جو حضرت عمرؓ نے سواد کے لیے مقرر کیے۔ اور چونکہ آیندہ ان ہی
اصولون پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ اس لیے انپر غور کرنے سے آئندہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ان سے
معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکومت کو کسی قسم کا ٹیکس ادا نہ کرتے تھے۔ بلکہ صرف زکوٰۃ اور
مال کی درآمد اور برآمد پر محصول ادا کرتے تھے۔ جو عام طور پر قیمت کا چالیسوان حصہ ہوتا تھا
یہ مال مسلمان قیدیون کو آزادی دلانے۔ غربار کی مدد۔ سڑکون کی مرمت۔ اور ابناء السبیل
کے زاد راہ کے انتظام کرنے مین کام آتا تھا۔ خمس کا تیسرا حصہ بھی اسی طرح صرف ہوتا تھا
اور باقی ماندہ دو حصہ خلیفہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔

حکومت اور فوج کا تمام خرچ ذمی برداشت کرتے تھے۔ فوج کے سپاہیون کو باقاعدہ
تنخواہ نہ ملتی تھی بلکہ مال غنیمت کے ایک حصہ کے وہ حقدار سمجھے جاتے تھے۔ اور اسکے علاوہ
وہ زمینین جو مال غنیمت سمجھی جاتی تھین ان مین تقسیم کردی جاتی تھین۔ یہ زمینین قطائع
کہلاتی تھین۔ مگر ان تمام باتون کے باوجود ذمی زیادہ سے زیادہ ٹیکس کی رقم صرف

خراج ہی ادا کرتے تھے۔ جو بعض اوقات پیداوار (۵۰) فی صدی حصہ ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے اس تمام مالی انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو مسلمان دیگر فکرون سے
آزاد ہو کر تمام تر جنگ و جدل مین مشغول ہو گئے۔ اور دوسری طرف خلفاء فتوحات کی
طرف مائل ہوئے کیونکہ یہی ایک صورت تھی جس سے وہ اپنے خراج اور آمدنی ایزاد
کرسکتے تھے۔ مگر فوج مین زمینون کی تقسیم اور جزیہ کی رقم کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہوا کہ
مسلمانون مین عام طور پر سُستی اور کاہلی پیدا ہو گئی۔ اور خلفاء جو پہلے محض عامل و
ناظر تھے بالکل خود مختار ہو گئے۔ انہون نے آخر مین صدقات اور زکوٰۃ کو بھی اپنا مال
سمجھ لیا۔ اور مسلمانون اور ذمیون مین محاصل کا فرق اٹھ گیا۔ اس وقت سے تمام محاصل
خواہ وہ خراج ہو۔ یا دیگر ذرائع سے وصول ہوئے ہون جبایۃ کہلانے لگے۔ چنانچہ ابن
خلدون لکھتا ہے "جون جون عیش و عشرت بڑھتی گئی۔ حکومت اور اسکے ملازمین کی ضرورتین
زیادہ ہوتی گئین۔ مگر کام کرنے کا سلیقہ جاتا رہا۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہوا کہ زیادہ آدمی
نوکر رکھے جائین۔ اور انکو معقول تنخواہین دیجائین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محاصل بڑھانے پڑے۔
یہان تک کہ زمین کے مالک اور انکے کاشتکار انہین ادا نہ کرسکے جس کی وجہ سے امن و امان
مین ہمیشہ فتور پڑا رہا۔" بقول ابن خلدون مامون کے زمانے ہی مین خراج اور صدقات
کا فرق جاتا رہا تھا۔ اور تمام محصول کو جبایہ ہی کہنے لگے تھے۔

اب ہم سواد کے خراج کے اعداد و شمار نقل کرتے ہین۔ یہ اعداد[1] ۲۰۴ھ کے دیوان
الخراج سے ماخوذ ہین۔ یہی وہ تاریخ ہے جسکے اعداد بالتفصیل ہم کو معلوم ہین۔ کیونکہ

[1] نبذ من کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ لابی الفرج قدامۃ بن جعفر الکاتب
البغدادی۔ مصححہ ڈی غویہ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۹ء۔ صفحہ ۲۳۶،

اس سے پہلے اعداد امین الرشید کے قتل کے وقت ۱۹۸ھ مین بغداد کے فتنۂ و فساد مین جلا دیے گئے ان اعداد سے اس علاقے کی خوشحالی اور شادابی پورے طور پر واضح ہوجائیگی،

سواد - الجانب الغربی عه

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبارہای گندم	کر گندم[1]	کر جو	مقدار سکہ (درہم)	کیفیت
انبار عه	۵	۲۵۰	۲۲۰۰	۱۴۰۰	۱۵۰۰۰	گندم (۱۱۰۰) کر - جو (۶۴۰۰) کر سکہ (۴۰۰۰۰) درہم عه
مسکن عه	۶	۱۵۰	۳۰۰۰	۱۰۰۰	۱۵۰۰۰	
قطربل عه	۱۰	۲۲۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰۰۰	گندم (۲۰۰۰) کر عه
بادوریا	۱۴	۴۲۰	۳۵۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰۰۰۰	(۳۰۰۰۰) درہم عه
بہرسیر	۱۰	۲۴۰	۱۹۰۰	۱۷۰۰	۱۵۰۰۰	(۱۷۰۰) کر گندم عه
رومقان عه عه	۱۰	۲۴۰	۳۳۰۰	۳۲۰۰	۲۵۰۰۰	
کوثی	۹	۲۱۰	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۱۵۰۰۰	(۳۵۰۰۰) درہم عه
نہر درقیط عه عه	۸	۱۲۵	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۲۰۰۰۰	
نہر جوبر	۱۰	۲۲۷	۱۷۰۰	۶۰۰۰	۱۵۰۰۰	کر گندم (۱۵۰۰) عه
کورۃ الزوابی عه عه	(۳) ضلع (۱۲) گانون	۲۴۴	۱۴۰۰	۷۲۰۰	۲۵۰۰۰	
بابل اور خطرنیۃ عه عه	۱۶	۳۷۸	۳۰۰۰	۵۰۰۰	۳۵۰۰۰	
فلوجۃ العلیا عه عه	۱۵	۲۴۰	۵۰۰	۵۰۰	۷۰۰۰۰	

[1] کُرغلہ کا ایک پیمانہ تہا اور عراق مین استعمال ہوتا تہا - ایک کُر (۱۰۰) صاع کے برابر ہوتا تہا -

عه ابن خراذبہ صفہ ۸ الخ + عه کتاب الخراج - لقدامۃ ابن جعفر صفہ ۲۳۷ آخر +

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبارہای گندم	کر گندم	کر جو	مقدار سکہ (درہم)	کیفیت
فلوجۃ السفلی عه عه	۶	۷۲	۲۰۰۰	۳۰۰۰	۲۸۰۰۰	
نہرین عه عه	۳	۱۸۱	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰	
عین التمر عه عه	۳	۱۴	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰	
جبۃ والبداۃ عه	۸	۷۱	۱۲۰۰	۱۶۰۰	۱۵۰۰۰	کر گندم (۱۵۰۰) عه
سورا و بربیسما	۱۰	۲۶۵	۷۰۰	۲۴۰۰	۱۰۰۰۰۰	(۱۵۰۰) کر گندم - (۱۶۰۰) کر جو - (۲۵۰۰۰) درہم عه
باروسما عه نہر الملک عه	۱۰	۷۶۴	۱۵۰۰	۴۵۰۰	۲۵۰۰۰۰	
السیلحین و الوقوف[1]	+	+	۵۰۰	۵۵۰۰	۵۰۱۰۰	
فرات بادقلی عه	۱۶	۲۷۱	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۹۰۰۰۰	(۶۲۰۰۰) درہم عه
سیلحین عه	+	۳۴	۱۰۰۰	۱۷۰۰	۱۴۰۰۰	(۱۵۰۰) کر جو عه
روزمستان / ہرمزجرد	+	+	۵۰۰	۵۰۰۰	۱۰۰۰۰	(۲۰۰۰۰) درہم عه
نستر عه	۷	۱۷۳	۱۲۵۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰۰	(۲۲۰۰) کر گندم عه
ایغار یقطین عه	+	+	۱۲ عه	۲۰۰ عه	۴۰۰۰۰	(۲۰۴۸۰۰) درہم عه
کسکر عه[2]	+	+	۳۰۰۰	۲۰۰۰۰	۲۰۰۰۰۰	(۲۷۰۰۰۰) درہم عه

[1] یہ بہت سے جائداد ین ہین - جو مختلف علاقجات سے لیکر ایک علاقہ مین جمع کردی گئی تھین بہیئت مجموعی یہ دو علاقون کے رقبے سے بہی بڑی تھین (ابن خرداذبہ صفہ ۱۱)

[2] اس مین نہر الصلۃ - نرقۃ اور دیان شامل تہے - اسکی محاصل کی مقدار جس مین خراج اور تمام دیگر محاصل ہین (۷۰۰۰۰۰) درہم تھی - (ابن خرداذبہ صفہ ۱۲)

سوادِ جانب الغربی

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبار گندم	کر گندم	کر جو	مقدار سکہ (درہم)	کیفیت
بزرجسابور عہ	۹	۲۶۳	۲۵۰۰	۲۲۰۰	۳۰۰۰۰۰	
راذانین عہ	۱۶	۳۶۲	۴۸۰۰	۴۸۰۰	۱۲۰۰۰۰	
نہر بوق عہ	+	+	۲۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
کلواذی و نہر بین	۳	۴۴	۱۶۰۰	۱۵۰۰	۳۳۰۰۰۰	
جازر عہ و مدینۃ العتیقہ	۷	۱۱۶	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۱۴۰۰۰۰	(۲۴۰۰۰۰) درہم عہ
راذ مستقباذ	+	+	۱۰۰۰	۱۴۰۰	۱۷۰۰۰۰	(۲۴۶۰۰۰) درہم عہ
مصروز و سیلسل	+	+	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۲۵۰۰۰۰	(۱۵۰۰) کر جو۔ اور (۱۵۰۰۰) درہم عہ
جلولا و جلتا عہ	۵	۷۲	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
زبینین عہ	۴	۲۳۰	۷۰۰	۱۳۰۰	۴۰۰۰۰۰	(۱۹۰) کر گندم عہ
رسکرۃ عہ	۷	۴۴	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۷۰۰۰۰	(۱۸۰۰) کر گندم (۱۴۰۰) کر جو (۶۰۰۰۰) درہم عہ
براز الروز	۷	۸۶	۳۰۰۰	۵۵۰۰	۱۲۰۰۰۰	(۵۱۰۰) کر جو عہ
بند نیجین	۵	۵۴	۶۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰	(۳۵۰۰۰) درہم عہ
بادرایا عہ و باکسایا عہ	۷	۲۰۷	۴۷۰۰	۵۰۰۰	۳۳۰۰۰۰	

نام علاقہ	تعداد دہ	تعداد انبار ہائے گندم	کر گندم	کر جو	مقدار سکہ (درہم)	کیفیت
کورۃ استان عہ شاذ فیروز	+	+	+	+	۱۸۰۰۰۰	
نہروانات:۔						
نہروان الاعلیٰ عہ			۲۷۰۰	۱۸۰۰	۳۵۰۰۰۰	
نہروان الاوسط	۲۱	۳۸۰	۱۰۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰	
نہروان الاسفل			۱۰۰۰	۱۲۰۰	۱۵۰۰۰۰	

قباذ ابن فیروز نے اپنے ایام حکومت مین سواد سے (۱۵۰۰۰۰۰۰) درہم وصول کئے تھے حضرت عمر رض ابن خطاب نے (۱۲۰۰۰۰۰۰) درہم۔ حضرت عمر رح ابن عبد العزیز نے (۱۲۴۰۰۰۰۰) درہم اور ابن ہبیرۃ نے (۱۰۰۰۰۰۰۰) درہم خراج وصول کیا۔ حجاج ابن یوسف نے (۱۸۰۰۰۰۰۰) درہم وصول کیے۔ اس تعداد مین عہ (۱۰۰۰۰۰۰۰) درہم شامل نہین جو اسنے ظلم سے جمع کیے تھے اہل سواد نے گاؤکشی کو بالکل ممنوع قرار دیدیا تہا۔ تاکہ زراعت مین ترقی ہوسکے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

شَکَوْنَا اِلَیْہِ خَرَابَ السَّوَادِ — فَحَرَّمَ جُهَّالُہُمْ لُحُومَ الْبَقَرِ[۱]

۲۱۲ھ مین ابو العباس عبد اللہ بن طاہر کو خراسان سے حسب ذیل خراج وصول ہوا۔ (۴۴۸۴۶۰۰۰) درہم نقد۔ سواری کے جانور (۱۳) عدد۔ (۳۰۰۰) بکریان۔ (۲۰۰۰) قیدی جنکی قیمت (۶۰۰۰۰) درہم تہی۔ (۱۱۸۷) عدد کپڑے (۱۳۰۰) عدد لوہے کے صندوق اور چادرین[۲]۔

[۱] ابن خرداذبہ صفحہ ۱۴ و ۱۵ + [۲] ابن خرداذبہ صفحہ ۳۹۔ تفصیل کے لیے دیکھو ابن خرداذبہ صفحہ ۳۴-۳۶

ابن حوقل نے واسط کے شہر کا خراج بحوالۂ دیوان الخراج ۳۵۸ھ مین (۶۰۰۰۰۰۰) درہم بیان کیا ہے۔ اور کوفہ کا (۳۰۰۰۰۰۰) درہم[1] ۔ کرمان کے محاصل کی مقدار ۳۵۱ھ مین (۵۰۰۰۰۰۰) درہم تھی[2]۔ حمص کا خراج (۲۳۰۰۰۰۰) درہم تھا[3]۔

آخر مین ہم تمام سلطنت کے خراج صوبہ وار درج کرتے ہین۔ اس سے اس زمانے کے تمول اور خوشحالی کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے:-

سواد	(۱۳۰۲۰۰۰۰)	درہم
اھواز	(۲۳۰۰۰۰۰۰)	درہم
فارس	(۲۴۰۰۰۰۰۰)	درہم
کرمان	(۶۰۰۰۰۰۰)	درہم
مکران	(۱۰۰۰۰۰۰)	درہم
اصبہان	(۱۰۵۰۰۰۰۰)	درہم
سجستان	(۱۰۰۰۰۰۰)	درہم
خراسان	(۳۷۰۰۰۰۰۰)	درہم
حلوان	(۹۰۰۰۰۰۰)	درہم
ماہ الکوفۃ	(۵۰۰۰۰۰۰)	درہم
ماہ البصرۃ	(۴۸۰۰۰۰۰)	درہم
ہمذان	(۱۷۰۰۰۰۰)	درہم
ماسبذان	(۱۲۰۰۰۰۰)	درہم

[1] ابن حوقل صفحہ ۱۶۲ وصفحہ ۱۶۳ ۔ [2] ابن حوقل صفحہ ۲۲۶ ۔ [3] کتاب الخراج صفحہ ۲۴۹

مصرجان قذق	(۱۱۰۰۰۰۰)	درہم
الایغارین	(۳۸۰۰۰۰۰)	درہم
قُم وقاسان	(۳۰۰۰۰۰۰)	درہم
آذربائیجان	(۴۵۰۰۰۰۰)	درہم
رے ودماوند	(۲۰۰۸۰۰۰۰)	درہم
قزوین زنجان وابہا	(۱۸۲۸۰۰۰)	درہم
قُومس	(۱۱۵۰۰۰۰)	درہم
جرجان	(۴۰۰۰۰۰۰)	درہم
طبرستان	(۴۲۸۰۷۰۰)	درہم
تکریت وطیرھان وسن والبوازیج	(۹۰۰۰۰۰)	درہم
شہرزور وصامغان	(۲۷۵۰۰۰۰)	درہم
الموصل	(۶۳۰۰۰۰۰)	درہم
قردی وبزبدی	(۳۲۰۰۰۰۰)	درہم
دیار ربیعۃ	(۹۶۳۵۰۰۰)	درہم
اذرن ومیافارقین	(۴۲۰۰۰۰۰)	درہم
طرون	(۱۰۰۰۰۰)	درہم
آرمینیۃ	(۴۰۰۰۰۰۰)	درہم
آمد	(۲۰۰۰۰۰۰)	درہم

دیار مُضر	(۶۰۰۰۰۰)	درہم
اعمال طریق الفرات	(۲۹۰۰۰۰۰)	درہم
قنسرین والعواصم	(۳۶۰۰۰۰)	درہم
حِمْص	(۲۱۸۰۰۰)	درہم
دمشق	(۱۱۰۰۰۰)	درہم
اُرْدُن	(۱۰۹۰۰۰)	درہم
فلسطین	(۲۵۹۰۰۰)	درہم
مصر والاسکندریۃ	(۲۵۰۰۰۰۰)	درہم
الحرمین	(۱۰۰۰۰۰)	درہم
الیمن	(۶۰۰۰۰۰)	درہم
الیمامۃ والبحرین	(۵۱۰۰۰۰)	درہم
عمان	(۳۰۰۰۰۰)	درہم

مدینۃ السلام بغداد کے ذمیون کا جزیہ جسکی مقدار (۲۰۰۰۰۰) درہم تھی عراق کے خراج مین شامل تھا[1]۔ کہتے ہین کہ کسرائے ابرویز نے اپنی حکومت کے اٹھاروین سال تمام سلطنت کے خراج کو شمار کیا۔ اسکی مقدار (۷۲۰۰۰۰) مثقال سونا (؟) اور (۔۔۔۔۔۔۔) درہم تھی[2]۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۴۹-۲۵۱۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۲۔

دین فطرت
یا
دین حنیف

(از مولانا عبد السلام ندوی)

آج جو لوگ مادیت کے نشے مین چور ہین، ان مین بعض نے تو سرے سے مذہبی عقاید و اعمال کا انکار کر دیا ہے، اور بعض نے آیات قرآنیہ کو کھینچ تان کر جدید سائنس و فلسفہ کے مطابق کرنیکی کوشش کی ہے، اور معقول و منقول کی اس تطبیق سے جو مذہب پیدا ہوا ہے اسکا نام فطری مذہب رکھا ہے، لیکن کیا درحقیقت اسی کا نام فطری مذہب ہے؟ اگر اسلام یا اور کوئی مذہب سائنس اور فلسفہ کے مخالف نہین ہے، تو کیا صرف اس تطبیق و توفیق کی بنا پر اسکو فطری مذہب کا لقب دیا جاسکتا ہے؟ یا مذہب کی فطرت سائنس کی فطرت سے مختلف ہے، اور اس اختلاف کی بنا پر ایک مذہب کو فطری یا غیر فطری کہا جاسکتا ہے؟

اس سے تو کسیکو انکار نہین ہوسکتا کہ مذہب اور سائنس دونون کا دائرہ الگ الگ ہے مذہب صرف انسان کے عقاید و اعمال کی اصلاح کرنا چاہتا ہے، اور سائنس کو کسی کے عقاید و اعمال سے بحث نہین ہوتی بلکہ وہ صرف اشیاء کی حقیقت اور ان کے افعال و خواص سے بحث کرتا ہے، اسکو اس سے غرض نہین کہ اس سے دنیا کو کیا نفع و نقصان پہنچیگا، لیکن کوئی مذہب انسان کے نفع و ضرر کو نظرانداز نہین کرسکتا، اسلئے مذہب کی فطرت سائنس کے قانون قدرت سے بالکل مختلف ہے، اسلئے مذہب کے دائرے مین رہ کر

مادیت اور روحانیت مین جو جنگ ہو سکتی ہے وہ سائنس اور مذہب کی جنگ سے بالکل مختلف ہوگی، سائنس اور مذہب مین اگر باہم مصالحت ہو جائے، اور سائنس کے تمام تازہ ترین انکشافات کے اصول قرآن مجید سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے نکال لئے جائین تو جو لوگ مادیت کے نشہ مین چور ہو کر فطری مذہب کی تلاش مین سرگرم ہین، انکو اپنی کہوئی ہوئی دولت ملجائیگی، لیکن درحقیقت یہ فطری مذہب نہین ہے، بلکہ فطری مذہب وہ ہے جسکا خاکہ حکماے جدید نے ان الفاظ مین کہینچا ہے،

"ثواب آخرت کے یہ معنی ہین کہ انسان قانون کا پابند ہو، لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت مین مضمر ہین، بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہین؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا، اچھے کام کرنا، وطن کی محبت، عمل اور اخلاص یہی فطری مذہب ہے اور یہی فطری عبادت ہے، یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہین، عقاید یہ ہین ایک قادر مطلق کا یقین جو ہر چیز پر قادر ہے جسکو کوئی شے بدل نہین سکتی، اور جسکے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہین[1]"

موجودہ مادہ پرستی کے دور مین اگرچہ اس فطری مذہب کے خاکے مین بھی روحانیت کی رنگ آمیزیان نظر آتی ہین، لیکن دنیا پر فریب وہ روحانیت کا ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جسمین یہ مذہب خالص مادی مذہب سمجھا جاتا تھا، لیکن خدا نے اسی روحانیت آمیز مادیت کا نام فطرت رکھا - اور پیغمبر اسلام کو حکم دیا -

فاقم وجهك للدين حنيفاً فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله

اپنا منھ ہر طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر دیہ خدا کی وہ فطرت ہے جسپر تمام دنیا کو پیدا کیا ہے

[1] الکلام صفحہ ۲۴ و ۲۵ ماخوذ از تطبیق صفحہ ۳۰،

ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون،

خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین ہو سکتی یہ سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہین جانتے،

جو لوگ مذہبی تاریخ سے ناواقف ہین وہ اس فطرت کو قانون قدرت کا مرادف سمجھتے ہین، اور اسی غلط فہمی کی بنا پر تطبیق معقول و منقول کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہین لیکن درحقیقت وہ کسی قانون، کسی اصطلاح، اور کسی فلسفہ کی مرادف نہین ہے، بلکہ صابی مذہب کی حریف اور اسکی مدمقابل ہے، جس کی بنیاد کسب پر قائم ہے، یعنی یہ کہ انسان صرف مجاہدہ، مراقبہ اور ریاضت شاقہ کے ذریعہ سے وہ روحانی کمالات حاصل کر سکتا ہے جو اسکو خدا تک پہنچا سکتے ہین، لیکن دین قیم نے اسکا ذریعہ صرف تکمیل فطرت کو قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانی ملل و نحل مین لکھتے ہین،

وانما مدار مذهبهم على التعصب للروحانيين كما ان مدار مذهب الحنفاء هو التعصب للبشر الجسمانيين والصابئة تدعى ان مذهبنا هو الاكتساب والحنفاء تدعى ان مذهبنا هو الفطرة فدعوة الصابئة الى الاكتساب ودعوة الحنفاء الى الفطرة[1]

صابئین کے مذہب کا دار و مدار روحانیین کی حمایت پر ہے، جیسا کہ حنفا کے مذہب کا دار و مدار جسمانی آدمیون کی حمایت پر ہے، صابئیت کا دعوی ہے کہ ہمارا مذہب کسب ہے، اور حنفا دعوی کرتے ہین کہ ہمارا مذہب فطرت ہے، پس صابئیت کی دعوت اکتساب کی طرف ہے اور حنفاء کی دعوت فطرت کی طرف،

صابی مذہب نے اکتساب کی جو دعوت دی ہے وہ اس روحانی اصول پر مبنی ہے کہ

(۱) خدا چونکہ بالکل مجرد عن المادہ ہے، اسلئے انسان اس مادیت کے ساتھ اوس تک رسائی نہین حاصل کر سکتا، جو لوگ نبوت کے مدعی ہین، وہ بھی مادی حیثیت سے عام انسانون سے

[1] ملل و نحل جلد دوم صفحہ ۹۵،

بالاتر نہین ہین، سب لوگ جو کہاتے ہین وہی وہ بھی کہاتے ہین، سب لوگ جو پیتے ہین وہی وہ بھی پیتے ہین، جیسی شکل وصورت تمام دنیا کی ہوتی ہے ویسی ہی اُنکی بھی ہوتی ہے، غرض وہ کسی طریقہ سے انسان اور خدا کے درمیان واسطہ نہین بن سکتے،

(۲) البتہ خدا اور انسان کے درمیان روحانیات کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہے جسکو اگر واسطہ بنایا جائے تو خدا تک رسائی ہوسکتی ہے،

(۳) لیکن جب تک سخت سے سخت ریاضتین نہ کیجائین، متصل روزے نہ رکھے جائین، قربانیان نہ کیجائین، عود وعنبر نہ سُلگائے جائین، رہبانیت نہ اختیار کیجائے، مرغوبات ولذات سے ہاتھ نہ اُٹھالیا جائے ہم مین وہ روحانی استعداد نہین پیدا ہوسکتی جسکے ذریعہ سے ہم اُن روحانیات سے مناسبت پیدا کرسکین جو ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ کا کام دیسکتے ہین،

لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ نتائج کے لحاظ سے یہ روحانی مذہب خالص مادّی قالب مین ڈھل گیا، صابئین نے غیر مجسم روحانیت کا جو عقیدہ قائم کیا اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے فطری روحانیت یعنی نبوت کا کُلیۃً انکار کردیا،

حضرت نوح ہی کے زمانہ سے ہمارے کانون مین کفار کی جو یہ آواز آتی ہے کہ ہم اپنے ہی جیسے آدمی کا اتباع نہین کرتے، وہ بھی صابئیت ہی کی آواز ہے، لیکن اسی کے ساتھ انھون نے جن روحانیات کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ بنایا تہا، مادیات کو ان کا مظہر قرار دیا، اسلئے بت پرستی کا ایک عام سلسلہ قائم ہوگیا، جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک قائم رہا، صابی مذہب کی سب سے زیادہ گرم بازاری حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ مین تھی، اور وہی زمانہ بت پرستی کے عروج کا زمانہ بھی تہا لیکن دین قیم اور دین فطرت نے صرف تکمیل فطرت پر اپنی بنیاد رکھی جو

اگرچہ مادیت سے ممزوج تھی لیکن اُسکا روحانی نتیجہ یہ نکلا کہ

(۱) روحانیت کا جو واسطہ لازمی طور پر بت پرستی کی طرف منجر ہوجاتا تہا بالکل اُڑگیا، اور دین قیم خالص موحدانہ مذہب بنگیا،

(۲) تکمیل فطرت کے مدارج کے لحاظ سے انسانون کے مختلف طبقے قرار پائے اور ان مین جو طبقہ سب سے بلند تر تہا اُسکو نبوت کا شرف حاصل ہوا، اور وہ خدا اور عام انسانون کے درمیان واسطہ قرار پایا،

(۳) عملی طور پر صابی مذہب نے کسب روحانیت کے جو طریقے مقرر کئے تھے، وہ نہایت سخت تھے، اسلئے ہر شخص اس سے عہدہ برا نہین ہوسکتا تہا، لیکن یہ فطرت جسپر دین حنیف دین قیم، اور دین ابراہیمی کی بنیاد قائم ہے، نہایت آسان چیز ہے، اسلئے خدا نے اس فطری مذہب کو دین قیم یعنی سیدھا سادھا دین کہا ہے، صابئین کو خدا تک پہنچنے کے لئے سخت مجاہدہ، مراقبہ اور ریاضت شاقہ کی ضرورت ہوتی تہی، لیکن دین حنیف نے جس فطرت کو اسکا ذریعہ بنایا، وہ صرف چند اخلاقی، مذہبی اور تمدنی اصول سے مرکب ہے، جو شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان کے مطابق حسب ذیل ہین،

(۱) طہارت ونظافت، یہی وجہ ہے کہ جو دس طہارتین حدیث شریف مین مذکور ہین، یعنی مسواک کرنا، ناک مین پانی ڈالنا، ناخن ترشوانا وغیرہ، انکو خصال فطرت کہا جاتا ہے، اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہین، جو دین فطرت یعنی دین حنیف کے بانی ہین،

(۲) اخبات، یعنی خدا کی صفات کاملہ کا تصور کرکے اُسکے سامنے عجز والحاح کرنا،

(۳) سماحت یعنی نفس مین ایک ایسی کیفیت کا پیدا ہوجانا جو انسان کو قوائے شہوانیہ کی

اطاعت سے روک دے،

(۴) عدالت، یعنی نفس مین ایک ایسے ملکہ کا پیدا ہو جانا جس سے انسان ایسے کام کر سکے جو تمدن کے لئے مفید ہون،

چنانچہ ان اصول کے ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکہتے ہین،

والحالۃ المرکبۃ منہا تسمی بالفطرۃ [1] ان سے جو حالت مرکب ہوتی ہے اسکا نام فطرت ہے

اسلام اسی فطرت کی تکمیل کے لئے دنیا مین آیا تہا، اسلئے اس نے اپنے آپکو فطری اور صابی مذہب کو جو بت پرستی کی صورت مین ہر جگہ موجود تہا غیر فطری مذہب کا خطاب دیا،

اسلام کا مقابلہ دنیا کے تمام مذاہب کے ساتہ تہا، فلسفہ اور سائنس کے ساتہ نہ تہا اسلئے یہ غلطی ہے کہ سائنس و فلسفہ کی مطابقت و عدم مطابقت کی بنا پر اسکو فطری یا غیر فطری مذہب قرار دیا جاے سائنس اور مذہب دونون کی دنیا الگ الگ ہے، اسلئے دونون کی فطرت بھی مختلف ہے، سائنس کی فطرت دنیا کے ذرے ذرے مین موجود ہی، لیکن مذہب کی فطرت کا مظہر نفس انسانی کے سوا اور کچھ نہین ہو سکتا،

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۵۴،

تلخیص و تبصرہ

بہاء اللہ

(از مسٹر پریتم سنگہ ایم، اے)

اس بہائی تحریک مین جسکا بانی باب تہا، مرکزی شخصیت بہاء اللہ کی ہے، بہاء اللہ کا اصلی نام مرزا حسین علی تہا، اسکے والدین ایران کے دار السلطنت طہران کے متمول باشندے تھے، اور والد وزیر حکومت تھے، بہاء اللہ کا سال پیدائش ۱۸۱۷ء تاریخ عالم مین ایک یادگار سنہ رہیگا، بہاء اللہ کو مرزا علی محمد باب، بانی مذہب بابیہ کے اولین متبعین مین ہونے کا شرف حاصل ہے، افسوس ہے کہ اسکی ابتدائی زندگی کے حالات موجود نہین، سب سے پہلے ان کا نام بحیثیت بابی ہونے کے منظر عام پر اسوقت آتا ہے، جب ۱۸۵۲ء مین ایک بابی بمقام تبریز باب کی شہادت کے انتقام مین شاہ ناصر الدین والی ایران کے اقدام قتل کا مرتکب ہوا تہا اس جرم کے پاداش مین بابیون کو شدید مصائب برداشت کرنے پڑے، اور اگرچہ بہاء اللہ کے متعلق یہ ثابت ہو گیا، کہ ان کا اس سازش سے کوئی تعلق نہ تہا، اور چار مہینہ کی اسیری کے بعد انہین رہائی بھی حاصل ہو گئی تھی، تاہم مصالح ملکی کے لحاظ سے انہین بغداد جلا وطن ہونا پڑا اسوقت انکی عمر ۳۶ سال کی تھی، یہان ان کا قیام دو سال تک رہا، اس مدت مین وہ برابر کلام حق کی تبلیغ کرتے رہے، اور اسکے بعد علاقہ کردستان کے کوہ سلیمانیہ کے غاردن مین خلوت گزین ہو گئے، اس زمانہ عزلت کے متعلق بعد کو وہ اپنی، ایک عزیزہ کو ان الفاظ مین تحریر کرتے ہین :-

"مین نے اپنی صحبت صرف جنگلی پرندون اور صحرائی درندون کے ساتھ رکھی، اور اس مادی دنیا سے مثل ایک برق روحانی کے گذر گیا، اسکے بعد کم وبیش دو سال تک مین ہر وقت یاد الٰہی مین مشغول رہا، اور ماسوا سے آنکھین بند رکھین"

۱۸۵۶ء مین احباب داعزہ کے اصرار سے وہ بغداد کو واپس آئے، انگریزی حکومت نے انکو دعوت دی کہ وہ ہندوستان مین بطور انگریزی رعایا کے رہ سکتے ہین، لیکن بہاء اللہ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا، اور اپنی بود وباش کے لئے ترکی علاقون کو ترجیح دی،

علما شیعہ جس طرح باب کے دشمن تھے، اسی طرح بہاء اللہ کے بھی دشمن ہو گئے اور انھون نے انکی تحریک کے برخلاف بغداد مین ایک شورش برپا کر دی، ترکی حکومت کے سامنے بہاء اللہ کا روز افزون اقتدار ایک خطرناک شکل مین پیش کیا گیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۳ء مین بہاء اللہ کو قسطنطنیہ مین طلب کیا گیا، اسوقت انکی عمر ۴۷ سال کی تھی، اور بغداد مین گیارہ سال تک قیام رہ چکا تھا،

قسطنطنیہ مین حکومت ترکی کے مہمان کی حیثیت سے بہاء اللہ کا قیام چار مہینہ تک رہا، اس اثنا مین بعض ذی اثر حکام کی سازشون سے جدید حکم یہ صادر کیا گیا کہ بہاء اللہ اڈریانوپل منتقل کیا جائے، چنانچہ اسی ۱۸۶۳ء مین بہاء اللہ کو مع اپنے رفقاء کے اڈریانوپل منتقل ہونا پڑا، یہین آکر انھون نے اول اول اپنے پیامات ربانی کی باضابطہ اشاعت شروع کی جسمین "اس" کے ظہور کی خبر تھی جسکی بشارت باب کے بیان مین آچکی تھی گویا باب مسیح بہائیت کے لئے بمنزلہ یوحنا حواری کے تھے، اسی وقت سے بہاء اللہ اور صبح ازل کے درمیان اختلاف کی بنیاد پڑی جو باب کا سوتیلا بھائی، اور اکثرون کے نزدیک اسکا صحیح خلیفہ تھا، ترکی حکومت نے اس نقیض کا فیصلہ یون کیا کہ فریقین کو ایک دوسرے سے

علٰحدہ کر دیا، اور بہاء اللہ کو عکہ اور صبح ازل کو قبرس مین جلا وطن کر دیا، اور چونکہ اس حکم کا مقصد جماعت مین انتشار پیدا کرنا تھا، اِسلئے متبعین کے ایک حصہ کو سوڈان اور ایک کو خرطوم جلا وطن ہونا پڑا، بہتون نے اپنے ہاتھ سے خودکشی کر لی، بہتون کو قتل کر دیا گیا اور بابیون پر ظلم وتعدی کی کوئی انتہا نہ رہی، (ان مظالم کی تفصیل مرزا جواد کی تاریخ مین ملیگی جسکا انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن نے اپنی جدید تصنیف "بابی ریلیجن" مین شامل کیا ہے)

بہاء اللہ کی عمر ۵۲ سال کی تھی، جب انہین عکہ کے قیدخانہ مین قید کیا گیا، اور اسوقت سے لیکر ۱۸۹۲ء تک یعنی پورے ۲۴ سال کی مدت قیدخانہ ہی مین گذری، اور اُسی قیدخانہ ہی سے وہ پیام ربانی کی تبلیغ کرتے رہے، سلاطین ووالیان ملک کے نام خطوط ومکاتیب جنمین انہین حق شناسی پر توجہ دلائی گئی ہے، یہین سے لکھے گئے تھے، بہاء اللہ کے مجموعۂ تصانیف کا نام "کتاب الاقدس" ہے، جو بہائی مذہب کے حسب اعتقاد الہامی کتاب ہے، اور جس مین بہائیون کیلئے واجب العمل احکام درج ہین، ذیل مین چند اقتباسات درج کئے جاتے ہین، جن سے اس اعلیٰ تعلیم کا اندازہ ہوگا جو بہاء اللہ نے متلاشی حق دنیا کے سامنے پیش کی ہے، بہائیت کی الٰہیات پر گفتگو کرنا سردست میرا مقصود نہین، تاہم میرا یقین ہے کہ اس زمانہ مین بہاء اللہ کا فلسفہ منجملہ بہترین فلسفون کے ہے، اور ایسا فلسفہ جو سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ قابل عمل ہے، اقوال ذیل ملاحظہ ہون،

(۱) ہر مذہب وملت کے اشخاص کے ساتھ بحسن سلوک پیش آؤ،

(۲) تم سب ایک ہی درخت کے پھل، اور ایک ہی شاخ کی پتیان ہو، اپنے محب وطن ہونے پر فخر کی کوئی بات نہین، البتہ محب عالم ہونے پر ہے،

(۳) اے باشندگان ارض! خدا کے مذہب کو منافرت کا حیلہ نہ بناؤ، خدا کی قسم، خدا کا

دین و مذہب ارتباط و اتحاد کے لئے آیا ہے نہ کہ نفاق و اختلاف کے لئے،

(۴) مار پیٹ، جنگ و جدل، قتل و غارت، جنگلی درندون کے افعال ہین جو ظلم و جہالت کے غارون مین رہتے ہین، خدا کے برگزیدہ بندے ان چیزون سے پاک اور ارفع ہوتے ہین،

(۵) مذہب کی تقویت اعمال سے ہوتی ہے، اور فضایل اُسکے معین ہوتے ہین، اے بہا پر ایمان لانے والو! فضیلت (نیکی) پر مضبوطی سے قائم رہو،

(۶) انسان کی فضیلت یہ ہے کہ وہ خدمتِ خلق و تزکیہ نفس مین مشغول رہے نہ کہ عیش و عشرت اور زر و مال مین۔

(۷) اپنی نظرون کو پاکباز، اپنے ہاتھون کو بادامانت، اپنی زبان کو صداقت شعار، اور اپنے قلب کو ایمان دار رکھو،

(۸) اگر کوئی متلاشی، سلطان ازل کے راستہ کو قطع کرنا، اور اُسکی تلاش و تحقیق کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ پہلے اپنے قلب کو صاف و طاہر کرے، کہ اسی تخت پر معشوق حقیقی جلوہ آرا ہوتا ہی،

(۹) اے خدا پر ایمان لانے والو! خدا کا کلام مثل درخت کے ہے، اُسکی تخم ریزی قلوب انسانی کے تختہ پر ہونا چاہیئے، اور اُسکی آبیاری ذکر و فکر کے دریا سے ہونا چاہیئے تاکہ اُسکی جڑین مضبوط ہو جائین اور اسکی شاخین آسمان تک پہنچ جائین،

(۱۰) میرے تمام اعضا اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہین کہ وحدہ لاشریک موجود ہے، اور جن پر اس نے انکشاف حق کر دیا ہے، اور جنہین اس نے ہدایت خلق کے لئے بھیجا ہے، وہ اُسکے مظاہر اور عالم مخلوقات مین اُسکی وحی کے حامل ہین،

(۱۱) اے باشندگان ارض! خدا کے مذہب کو آپس مین اختلاف کا آلہ نہ بناؤ، الحق! مذہب دنیا کو متحد کرنے کے لئے آیا ہے،

(۱۲) اے باشندگان عالم تم سب ایک ہی درخت کے پھل اور ایک ہی شاخ کی پتیان ہو آپس مین فراخدلی، یکجہتی، اتحاد و خلوص کے ساتھ معاشرت کرو،

(۱۳) آدمی کو اسپر فخر نہ کرنا چاہیئے کہ اسے اپنے وطن کے ساتھ محبت ہے بلکہ اسپر فخر کرنا چاہیئے کہ اسے نوع انسانی کے ساتھ محبت ہے،

(۱۴) تم مین سے ہر شخص پر لازمی ہے کہ اپنے لئے کوئی ایک شغل اختیار کرلے، مثلاً، صنعت، تجارت وغیرہ، تمہارا یہی پیشہ عین عبادت الٰہی ہے، اے لوگو، خدا کے رحم و کرم اور لطف و فضل پر غور کرو، اور صبح و شام اسکی جناب مین ادائے شکر کرو،

(۱۵) اپنا وقت بیکار کاہلی و تن پروری مین ضایع نہ کرو، بلکہ ان مشاغل مین صرف کرو، جو تمہاری ذات کو اور دوسرون کو نفع پہنچانے والے ہین،

(۱۶) مذہب امن و تحفظ عالم کے لئے ایک مستحکم قلعہ اور ایک واضح نور ہے، خوف الٰہی ہمیشہ انسان کو اس چیز کی طرف لیجاتا ہے جو نیک ہے، اور اس راستہ سے روکتا ہے جو بد ہے، اگر مذہب کی شمع ہدایت مخفی رہے تو ابتری و بدنظمی پیدا ہو جائے، اور عدل و مساوات کی مشعل اور امن و نظم کا آفتاب بے نور ہو کر رہجائے،

(۱۷) جملہ مذاہب کے اشخاص کے ساتھ بہ لطف و محبت پیش آؤ،

(۱۸) خدا نے انسان کو مے نوشی سے منع کیا ہے،

اس تعلیم کی رفعت سے کسکو انکار ہو سکتا ہی، اور اگر بہاء اللہ کی تعلیم نے آج متمدن دنیا کو اپنی جانب متوجہ کرلیا ہی تو اسپر حیرت نہ کرنا چاہیئے، بہائی تحریک پہلے ایران مین باوجود مظالم اور تعدیون کے پھیلی اور اسوقت سے برابر یورپ و امریکہ مین پھیلتی جاتی اور ہندوستان مین بھی جلب توجہ کرتی جاتی ہے، اس مذہب کے شعبہ معتقدات اور بہاء اللہ کے قائم کردہ نظامات پر آیندہ کبھی گفتگو ہوگی،

فرقہ یزیدیہ

پانیر کا مخصوص مراسلہ نگار عراق عرب سے ایک فرقہ کا حال لکھتا ہے جو شیطان کی پرستش کرتا ہے، مضمون نگار کی روایت ہے کہ اس فرقہ کا نام یزیدی ہے، اور یہ عربون اور کردون کی مخلوط نسل سے مرکب ہے، اُنکی تعداد ۶۰ ہزار ہے، اور ان مین سے اکثر کا مسکن جبل سنجر ہے، جو دجلہ کے پورب موصل کے مقابل واقع ہے، انکی کچھ تعداد حلب، دیار بکر، طفلس، وطہران مین بھی موجود ہے، اُنکی زبان کردی زبان کی ایک شاخ ہے، بلحاظ عادات وخصائل، یہ لوگ بڑے جفاکش، باہمت، پاکباز ومہمان نواز ہین، لیکن ساتھ ہی بالکل جاہل بھی ہین، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تعلیم اُن کے مذہب مین قطعاً ممنوع ہے، حکومت کے جبر وتعدی سے انکی جماعت روز بروز گھٹتی جاتی ہے، چنانچہ ۱۸۹۲ء مین یہ کئی ہزار کی تعداد مین قتل ہو چکے ہین،

ان کا مذہب دراصل قدیم طرز کی اعجوبہ پرستی کا مظہر ہے، جسمین مسیحیت، یہودیت و اسلام تینون کے عناصر شامل ہین، اُنکا عقیدہ یہ ہے کہ سب سے بڑی قوتین دو ہین، ملک طاؤس، اور ملک عیسیٰ، جسمین سے اول الذکر اہرمن (شیطان) اور آخر الذکر یزدان (خدا) کے مرادف ہے، ان مین سے ہر قوت کی مدت حکومت دس ہزار سال تک رہتی ہے لیکن آجکل چونکہ شیطان کا دورِ حکومت ہے، لہذا اُسی کی عبادت واجب ہے،

شیطان کی مدت حکومت کے چار ہزار سال گذر چکے ہین، اور چھ ہزار سال باقی رہ گئے ہین، اس مدت کے اختتام پر عیسیٰ کا ظہور ہوگا، جو شیطان کو جہنم مین بھیجین گے،

اور وہ وہان پہنچکر اسقدر گریہ وبکا کریگا کہ آتش دوزخ اُسکے آنسوؤن سے سرد ہوجائیگی اسوقت اسکی خطا معاف ہوگی، اور اسوقت وہ از سرِ نو معلم الملکوت کے مرتبہ پر سرافراز ہوگا،

آجکل جو مسیح کا درجہ بلند ترین نہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسوقت ان کا عہد حکومت نہین اور چونکہ وہ نہایت حلیم، رحیم، کریم وخطاپوش ہین اسلئے اُن سے ڈرنے اور خوف کرنیکی کوئی ضرورت نہین،

دعوتون اور ضیافتون کے موقع پر یہ لوگ ایک بھیڑ کی مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہین اور سات بھیڑون کی شیطان کے نام پر، اسلئے کہ شیطان بڑا ہی سخت گیر اور غضبناک معبود ہے، یہ لوگ مسیح کے حلول پر اعتقاد رکھتے ہین، لیکن صلیب پر اُنکے وفات پانے کو نہین مانتے، مسیح کے ظہور اول کو یہ لوگ ناکام قرار دیتے ہین، اسلئے کہ اسوقت وہ قوت عصیان کو شکست نہ کرسکے، یہ لوگ صلیب کا احترام کرتے ہین، آفتاب و ماہتاب کو مقدس مانتے ہین، اور جس مقام پر آفتاب کی شعاعین سب سے پہلے پڑتی ہین اسکو روز چومتے ہین، ان کا اعتقاد ذات باری پر بھی ہے، لیکن چونکہ ان کے حسب اعتقاد اس کا تعلق صرف آسمان سے ہے، اور دنیا اور مافی الدنیا سے اسے کوئی سروکار نہین، اسلئے اسکی عبادت ضروری نہین سمجھتے، حضرت محمد کو پیمبر برحق تسلیم کرتے ہین اور مکہ کو مقام مقدس مانتے ہین، سانپون کی پرستش تو شاید یہ لوگ نہین کرتے تاہم اُن کے معابد مین بڑے بڑے سیاہ سانپون کی تصویرین بنی ہوئی رہتی ہین، اور آگ مین تھوکنا انکے ہان معصیت کبیرہ ہے، اس عمارت کے سامنے جسکے اندر شیطان کی مورتین رہتی ہین، ہمیشہ چراغ روشن رکھے جاتے ہین،

ان کے حسب اعتقاد، انسان کی خلقت آدم وحوا سے ہوئی ہے، لیکن آدم وحوا اتبک ایک ایک نہین بلکہ اکہتر اکہتر کی تعداد مین پیدا ہو چکے ہین، اور اُن مین سے ہر

آدم وحوا کی عمر دس دس ہزار سال کی ہوئی ہے، روایت ہے کہ ابتدا مین آدم وحوا کے
درمیان اس باب مین جھگڑا ہوا کہ ان مین سے قوت تخلیق کس مین ہے، اس قضیہ کو طے کرنیکے
لئے انھون نے ایک ایک برتن مین ہتوکا اور انہین سربمہر کرکے نو مہینہ تک رکھا، اسکے بعد جب
کھولا تو حوا کے برتن سے سانپ و دیگر حشرات الارض نکلے، اور آدم کے برتن سے دو خوبصورت
اولادین، ایک لڑکا اور ایک لڑکی برآمد ہوئے، اور یزیدیہ انہین کی نسل سے ہین حوا کو
اس تجربہ کے نتیجہ پر اتنا غصہ آیا کہ انھون نے ان بچون کی رضاعت سے انکار کردیا، لیکن
خدا نے آدم کو پستان دیدیئے اور انھون نے دو سال تک ان بچون کی رضاعت کی،

طوفان نوح سے متعلق بھی انکی روایت دلچسپ ہے، کشتی اگر کوہ سنجر پر ٹہری جو انکے
پہاڑون کی سب سے اونچی چوٹی ہے، لیکن جونہی وہ کشتی ٹہرنے لگی دفعتہً پہاڑ اس تیزی کے
ساتھ ابھرا کہ کشتی مین سوراخ ہوگیا، اور وہ ڈوبنے لگی، اسپر کشتی کو سخت غصہ آیا اور نوح سراسیمہ ہوگئے
اسوقت ایک سانپ انکے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری ایک شرط منظور کرنے کا وعدہ
کرین، تو مین اس سوراخ کو اپنے جسم سے بھرکر کشتی کو غرقابی سے بچا سکتا ہون، اور وہ شرط یہ ہے کہ
آپ آیندہ اجازت دین کہ مین اپنا مسکن انسان کی بغل کو رکھون، اور انسانی خون چوستا رہون
ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک دریائی پرندہ نے جھپٹا مار کر سانپ کو اپنی چونچ مین اٹھا لیا، سانپ
اسوقت درد و تکلیف سے بیتاب ہوکر "اخ، اخ" چلایا جسکے معنی "زمین زمین" کے
کردی زبان مین ہین، نوح اسکا مطلب یہ سمجھے کہ سانپ کو زمین پر رینگتے رہنے کی تمنا ہے
اور انھون نے اسکی اسی شرط کو منظور کرلیا، لیکن جب اسکے بعد کشتی محفوظ ہوگئی تو نوح نے
اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اور جتنے سانپ کشتی پر موجود تھے سب کو یکجا کرکے آگ
مین جھونک دیا، لیکن انکی خاکستر سے دوسرے سانپ پیدا ہوئے جو آج تک دنیا مین

موجود اور انسان کی ہلاکت مین مصروف ہین،

گذشتہ جنگ مین ۱۹۱۸ء مین یزیدیون نے بہت سے مسیحیون کو پناہ دی اور جو
ترک ان کے تعاقب مین آئے تھے ان سے مقابلہ کرکے انہین شکست دی،

مذہب بودھ اور عالم جنات

ایک مشہور تھیاسوفسٹ مضمون نگار مسٹر پیٹر ڈی ایبریو نے رسالہ تھیاسونٹ کے
تازہ نمبر مین مذہب بودھ کے مطابق عالم جنات پر ایک دلچسپ مضمون تحریر کیا ہے وہ کہتے ہین
عالم ناسوت کے بعد عالم جنات (ملکوت) ہے، انسان موت کے بعد اسی عالم مین جاکر
پھر پیدا ہوتا ہے، اور یہان وہ جن کہلاتا ہے،

جنات اپنے مدارج عقل و روحانیت کے لحاظ سے چودہ طبقون مین تقسیم ہین، ان کی
سکونت کی سات اقلیمین ہین، اور ان کے دو دو طبقہ ہر اقلیم مین سکونت گزین رہتے ہین،
جنمین سے سب سے ادنیٰ دو طبقون کے جنات کا مسکن پہاڑ، پہاڑیان اور درخت ہوتے ہین
ان طبقون کے جنات عقل و شعور کے لحاظ سے نہایت ہی پست ہوتے ہین، بخلاف ان کے
اونچے طبقون کے جنات بہت ہی ممتاز ہوتے ہین،

جنات کا جسم ہم انسانون ہی کا سا ہوتا ہے، البتہ جس مادہ سے اسکی ترکیب ہوتی ہے،
وہ بہت ہی لطیف ہوتا ہے، اور ان کا احساس بہت ہی نازک ہوتا ہے، پست مرتبہ جنات
اپنے جذبات و حواس ظاہری کے غلام ہوتے ہین، اور بعض دفعہ عالم ناسوت کے باشندون کو
پریشان کرتے ہین، لیکن بلند رتبہ جنات تزکیہ نفس و ارتقاء روحانی کے لحاظ سے بہت ارفع

ہوتے ہین، اور وہ کمزورون کی برابر امداد کرتے رہتے ہین،

ہماری طرح وہ بھی خاندان مین منقسم اور مختلف مشاغل مین مصروف رہتے ہین، البتہ اُنکے گھرانون مین صرف بالغ افراد ہوتے ہین، بچہ نہین ہوتے، اسلئے کہ بخلاف ہماری دنیا کے ان کے عالم مین سلسلۂ توالد و تناسل نہین، افراد خاندان مین اضافہ یون ہوتا رہتا ہے کہ جہان کسی جن کو اُسکی خواہش پیدا ہوئی معاً ایک بالغ جن وجود مین آجاتا ہے اسی طرح جہان اُنہین خواہش تغذیہ پیدا ہوئی، معاً غذا ملجاتی ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اُنکی غذا بھی نہایت لطیف ہوتی ہے، اغذیہ ناسوتی کی طرح کثیف نہین ہوتی، اُنکی جسمانی خواہشون کی تعمیل فی الفور ہوتی ہے، ادہر خواہش پیدا ہوئی اور اودہر پوری ہوگئی، عالم خاکی کیطرح انہین قیام و بقاے حیات کے لئے کسی طرح کی جد و جہد نہین کرنا پڑتی، ہر جن کی (خواہ وہ ذکور مین سے ہو یا اناث سے) عمر طبعی تین کرور ساٹھ لاکھ سال کی ہوتی ہے، اور یہ ساری مدت عیش و راحت کے ساتھ کٹتی ہے، اور اگر اس عمر مین قوانین کی پوری طرح پابندی کیجاتی رہی تو اس مدت کے خاتمہ پر رفتہ رفتہ مختلف قالبون سے گذر کر ہر جن بالآخر برہم لوک (عالم لاہوت) تک پہنچ جاتا ہے، جو دیولوک (عالم ملکوت) سے کہین برتر و ارفع ہے اور ارتقائے وجود کی انتہائی منزل ہے،

چونکہ جنات مختلف مراتب و مدارج کے ہوتے ہین، اسلئے ان کے مذاہب بھی مختلف ہوتے ہین، بالکل اسی طرح جیسے انسانون مین بکثرت مذاہب و ادیان ہین البتہ چونکہ ان کا مرتبہ عقل و روحانیت ہم سے بدرجہا برتر ہے، اسلئے ان مین ہماری طرح مناقشہ و مکابرہ برپا نہین رہتا، ہر فرد اپنے اپنے عقیدہ کا پابند رہتا ہے، اور آپس مین پوری رواداری ملحوظ رہتی ہے، اور صرف عقاید ہی نہین بلکہ اعمال حسنہ مین بھی ان کا قدم

ہم سے کہین آگے رہتا ہے،

ہر اقلیم جنی ایک مطلق العنان فرمان روا کے زیر نگین رہتی ہے، جسکے ماتحت ذمہ دار حکام و عمال پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی مین مشغول رہتے ہین، بادشاہ وقت ظل اللہ سمجھا جاتا ہے، وہ محض فرمانروا ہی نہین ہوتا بلکہ مرشد کامل بھی ہوتا ہے، اور اُسے رعایا پروری کا انتہائی خیال رہتا ہے، اسکے سپرد محض اپنی ہی قلمرو کا انتظام نہین رہتا بلکہ عالم ناسوت کی نگرانی بھی اُسکے فرائض مین داخل رہتی ہے، اقلیم ثانی و ثالث کے تاجدار کا نام شاہ ساگرا ہے، وہ نہایت عادل و حق پرست فرمان روا ہے، وہ اقالیم ماتحت و عالم ناسوت کی جہانبانی کرتا رہتا ہے، اور اپنے سے برتر اقالیم کے فرمانرواؤن کے سامنے اسے اپنے افعال کی جوابدہی کرنا ہوتی ہے، اس حکومت کا اصطلاحی نام سدہرم ہی اور یہ نام خود اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اس ملک کی رعایا روحانی حیثیت سے کتنی ترقی یافتہ ہے، سگرا کے چار مشیر یا وزیر ہین، جنکے سپرد زمین کے جوانب اربعہ ہین، چنانچہ

شمال — راجہ دسرتھ کے سپرد ہے،
جنوب — راجہ ویردل "
مغرب — راجہ دیبی پکھ "
مشرق — راجہ دلیس دانا "

ان وزرا کے علاوہ ۱۲۸ اور ارکان حکومت ہین، یہ مجلس ہر قمری مہینہ کی چودہوین تاریخ کو بدر کامل کے دن اپنا اجلاس کرتی ہی اور غور و بحث کے بعد مسائل کا فیصلہ صادر کرتی ہے،

دنیا کے ہر فرد بشر کے ساتھ اس عالم جنات کا ایک ایک جن بطور ہمزاد کے مسلط رہتا ہے جو ہر وقت اسکی مدد و نگرانی کرتا رہتا ہے، اکرم یا مکافات عمل سے نجات دلانا بیشک اس جن کے

اختیار مین نہین ہوتا تاہم اسکی وہ کوشش برابر کرتا رہتا ہی کہ جہانتک ممکن ہو اپنے زیر نگرانی انسان کو گمراہیون اور بدکاریون سے بچاتا رہے اور نہ صرف افراد کے لئے بلکہ ہر خاندان ہر قبیلہ، ہر جماعت، ہر قوم پر بھی اسی طرح کا ایک جن متصرف رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر حیوانات، نباتات وجمادات تک مین سے کوئی ایسی ہستی نہین جسکی ہدایت عمل کے لئے ایک ایک جن نہ مقرر ہو، ان جنات کا کام یہ ہوتا ہی کہ بارگاہ الٰہی سے جو احکام صادر ہون انکی تعمیل کرتے اور کراتے رہین اور یہی مفہوم کارکنان قضا وقدر کا ہے،

اخبار علمیہ

حوادث جنگ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ انگریزی کتابون کی قیمتین جرمنی واسٹریا مین اس حد تک بڑھ گئی ہین کہ یقین نہین آتا، ٹائمز کے تعلیمی ضمیمہ کا بیان ہے کہ انگلستان مین برطانیہ کی چھپی ہوئی جس کتاب کی قیمت ۱۰ شلنگ ہے، وہ جرمنی مین ۱۸۰ شلنگ (نو پونڈ) کو ملتی ہے، اور اسٹریا مین ۶۰۰ شلنگ (۳۰ پونڈ) کو!! اس صورت حال سے قدرۃً جرمن واسٹروی تعلیمگاہون اور کتبخانون مین انگریزی کتابون کا قحط ہوگیا ہی یہ دیکھکر خود انگریزون کو اب رحم آگیا ہے، اور ایک انگریزی وامریکی انجمن اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ انگریزی کی جو نہایت ضروری کتابین ہین، انہین مناسب قیمت پر جرمن واسٹروی یونیورسٹیون کو مہیا کرے،

ایک فرینچ شخص نے فوٹوگرافی کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جس سے خود بخود پوری تصویر چار منٹ مین کھنچکر تیار ہو جاتی ہے، جس شخص کو تصویر کھنچانا منظور ہوتا ہے، وہ اس کیمرہ کے سامنے بیٹھکر اسکے اندر کچھ نقد ڈالدیتا ہے، معًا ایک گھنٹی بجتی ہے، اور کیمرہ کے اوپر یہ الفاظ مندرج ملتے ہین، "تیار ہو کر بیٹھے، اپنا چہرہ داہنی طرف رکھیئے، نگاہ اوپر والے آئینہ پر پڑے، اور چہرہ مسکراتا ہوا رکھیئے" اسکے بعد ہی ایک چھوٹا سا لمپ مشین کے اوپر روشن نظر آتا ہی اور تختی ان الفاظ کے ساتھ نمودار ہوتی ہے، "اپنے جسم کو ساکن وبے حرکت رکھیئے" چند سکنڈ مین کیمرہ کے اندر سے کھٹ کی آواز آتی ہے، اور روشنی گل ہو جاتی ہے، اسکے بعد

تیسری تختی یہ اطلاع دیتی ہے کہ کام ختم ہوچکا، اب آپ اٹھ سکتے ہین،" اتنی دیر مین تصویر بہمہ وجوہ مکمل ہوکر کیمرہ کے پیندے مین آجاتی ہے، اور یہ ساری کاروائی چار منٹ کے عرصہ مین ختم ہوجاتی ہے،

امریکہ کے ایک ڈاکٹر ولیم بیٹس، جو فن جراحی مین خاص شہرت رکھتے تھے، کچھ عرصہ ہوا ایک ملاح پر اپریشن کرنیکے لئے ایک جہاز پر جو بندرگاہ مین لنگر انداز تہا، گئے، لیکن اسکے بعد غائب ہوگئے، یہانتک کہ ان کے اعزہ و احباب کو مہینون تک انکے وجود کی خبر نہو سکی! ایک مدت کے بعد ڈاکٹر موصوف نے اپنے تئین پیرس مین پایا، جہان وہ زمانۂ طالبعلمی مین رہ چکے تھے وہان تک وہ کیونکر پہنچے؟ اس درمیان مین کتنا عرصہ گذرا؟ اس اثنا مین ان پر کیا کیا حوادث و واقعات پیش آئے؟ ان مین سے ایک شے بھی انکے حافظہ مین نہ تھی! اس سے بھی بڑھکر یہ کہ وہ اپنی تمام پچھلی زندگی، حتی کہ اپنا نام بھی بھول چکے تھے! اتفاقاً ایک روز انکی نگاہ ایک لفافہ پر پڑی، جسپر بیٹس لکہا ہوا تہا، یہ دیکھکر انہین معاً اپنا نام یاد پڑگیا، اور اسطرح رفتہ رفتہ ان کا حافظہ عود کر آیا،

اس سلسلہ مین ایک انگریزی اخبار نے ذہول مطلق و نسیان کامل کی دو ایک معتبر مثالین اور بھی درج کی ہین، ستمبر سنہ ۱۱ء مین ایک صاحب انگلستان کے ایک ساحل پر غسل کرنے گئے، اسکے بعد انکے کپڑے تو زمین پر رکہے ملے، مگر خود ان کا یا انکی نعش کا کچھ پتہ نہ چلا، پورے دو برس کے بعد وہ پھر اپنے وطن کو واپس آئے، اور معلوم ہوا کہ اس روز نہاتے ہوئے ایک تیز دہارے مین وہ بہ گئے تھے، مگر دو تین میل کے بعد ایک جہاز کی نظر ان پر پڑگئی،

اس نے انہین زندہ و سلامت نکال لیا، لیکن اس صدمہ سے ان کا حافظہ بالکل تشریف لیگیا، اور انہین اپنے متعلق ایک بات بھی یاد نہ رہی، یہانتک کہ کچھ عرصہ کے بعد انھون نے اپنے تئین ایک جرمن اسپتال مین پایا، اور وہان سے انکی یادداشت رفتہ رفتہ عود کرنے لگی،

اسی طرح کچھ روز ہوئے، ایک معمر خاتون نہایت بیش بہا زیورات سے آراستہ اور ایک عجیب پوشاک پہنے ہوئے شہر لندن کی سڑکون پر ہر طرف پھرتی ہوئی ملین، خلقت کا ایک ہجوم انکے ساتہہ ہوگیا، لیکن انکو نہ کسی خاص مقام پر جانا تہا، نہ راستون کی خبر تھی، بالآخر لوگ انہین پولیس کی چوکی پر لے آئے، یہان یہ دریافت ہوا کہ علاوہ دو ہزار پونڈ کے زیورات کے جو ان کے بدن پر تھے، انکے سات ہزار پونڈ بینک آف انگلینڈ مین بھی جمع تھے، لیکن وہ خاتون اپنی زبان سے اپنا نام و نشان کچھ نہ بتا سکین، ہر شے انکے حافظہ سے محو ہوچکی تھی! ایک مدت تک وہ اسی گمنامی و بے نشانی کی حالت مین رہین، اسکے بعد انکی تشخیص متعین ہوسکی۔

شہر برلن (دار السلطنت جرمنی) کے مختلف محلون مین پندرہ پندرہ فٹ کی بلندی کے نوے(۹۰) مینارہ واقع ہین، جنہین "یورینیا ٹاورز" کہتے ہین، ہر مینار گہنٹہ گھر کا کام دیتا ہے، اور گھڑی کے ساتہہ ہی ہر مینار پر ایک ایک تھرمامیٹر (حرارت پیما) بارومیٹر (ہوا پیما) اور ہایگرومیٹر (نم پیما) لگا رہتا ہے، ان کے علاوہ مینار کے زیرین حصون مین اس محلہ کا مفصل نقشہ شہر برلن کا مجمل نقشہ، محا دار پولیس کی چوکی، اسپتال، ریلوے اسٹیشن وغیرہ کے پتے، غرض کل ایسی ضروری معلومات، جو مقیم و نووارد دونون کے کام آسکین، درج رہتی ہین، اور درمیان مین جو جگہین خالی رہجاتی ہین، ان مین بہ اخذ اجرت اشتہارات درج کئے جاتی ہین،

وسط شہر مین ایک مرکزی اسٹیشن ہے، دہین سے ان تمام گھڑیون کو ایک ساتھ کوک دیجاتی ہے

ٹیگور کی تصانیف کے ترجمے تو مغرب کی ہر با وقعت زبان مین عرصہ سے موجود تھے، لیکن اب اسکے ڈرامون کو یورپ مین ایکٹ بھی کیا جانے لگا ہے، چنانچہ حال ہین اسکے قلم سے نکلے ہوئے متعدد تماشے لندن کے تھیٹرون مین کھیلے گئے، اور اُن مین سے بعض مین مشاہیر امرار انگلستان بھی شریک ہوئے، ٹیگور موجودہ زمانہ کا سب سے پہلا مشرقی ہے جسکے کلام کو مغرب مین اسقدر حسن قبول حاصل ہوا ہے،

کلکتہ کا انگریزی تعلیمی رسالہ کالیجین لکھتا ہے کہ مسلمانون کو فخر و مسرت سے یہ خبر سننا چاہئے کہ ان کے اسلاف کی علمی عظمت کا اعتراف مستشرقین یورپ کرنے لگے ہین، چنانچہ ابن خلدون (۱۳۳۲ تا ۱۴۰۶ء) کا فلسفۂ تاریخ کا بانی ہونا اب مسلّم ہوگیا ہے، اُسکے مقدمۂ تاریخ کا ترجمہ فرنچ زبان مین بڑی آب و تاب سے شایع ہوا ہے، اور انگریزی زبان مین پروفیسر فلنٹ نے اپنی تالیف "فرنچ فلسفۂ تاریخ کی تاریخ" مین اسکے نظام فلسفۂ تاریخ کی تلخیص کی ہے،

ایک طبی رسالہ لکھتا ہے کہ مرض النوم کی ایک خاص شکل جسمین مریض پر مزمن خواب مثل نشہ کے طاری ہوجاتا ہے، آجکل یورپ و امریکہ مین مختلف مقامات پر شایع ہو رہی ہے، چنانچہ لندن ہاسپٹل مین اسوقت اسکے سات مریض زیر علاج ہین، اور فرانس کے متعدد حصون مین اسکا وجود پایا جاتا ہے، اسکا مریض ہفتون بلکہ مہینون برابر سوتا رہتا ہے، اور کسی وقت بھی ہوشیار نہین ہوتا، مگر نیویارک (امریکہ) مین تجربہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ موسیقی اس مرض کا

علاج ہے، یہان ایک جوان عمر عورت کو جبکا سن ۲۹ سال کا تھا، یہ مرض لاحق ہوا، اور پورے ۱۰۲ دن گذر گئے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بیدار نہین ہوئی، آخر مین ایک مغنی بلایا گیا، جس نے ساز کی مدد سے اُسکے سرہانے بیٹھکر گانا شروع کیا، اسکو چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ مریضہ نے جنبش سر کے ساتھ آنکھین کھول دین، اور آدھ گھنٹہ مین پوری طرح بیدار ہوگئی۔

ڈاکٹر لوئی سیمبن نے رایل کالونیل انسٹیٹیوٹ کے سامنے حال مین ایک طبی لکچر دیا، اور اسمین بیان کیا کہ دفعیہ طاعون کے لئے چوہون کی بربادی کی کوشش قطعاً بیسود ہے کیونکہ جسقدر زاید تعداد مین چوہے ہلاک کئے جاتے ہین، اسیقدر باقی ماندہ چوہون کے لئے عیش و فراغت کے سامان زیادہ حاصل ہوتے جاتے ہین، اور اُسیقدر انکی نسل تیزی سے بڑہتی جاتی ہے، البتہ اگر طاعون کی علت چوہون ہی کو قرار دیا جائے تو ان کے شر سے محفوظ رہنے کی بہتر صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مکانات اس قسم کے تعمیر کئے جائین جنمین چوہون کا گذر ہی نہ ہوسکے، اور انہین اپنے لئے سوراخ بنانے کے مواقع ہی نہ ملین، سر پیٹرک مینسن جو جلسہ کے صدر تھے، انھون نے اپنی افتتاحی تقریر مین لکچرار کی ذہانت و دقت نظر کی داد دی، لیکن ان کے آرار و نظریات کو ناقابل قبول بتایا،

سنہ مین لندن مین انٹرنیشنل کانگرس آف فلاسفی منعقد ہونے والی تھی جسمین یورپ و امریکہ کے تمام مشاہیر علما، فلسفہ شریک ہوتے، اور فلسفہ کی ہر شاخ پر بکثرت عالمانہ مضامین زیر بحث آتے، اس کانگرس کا پورا پروگرام (نظام عمل) مرتب ہوچکا تھا، مضامین و مقالات کے عنوانات طے پاچکے تھے، خطوط دعوت جاری ہوچکے تھے، اور یوم انعقاد کے دو برس پیشتر سے

انتظامات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، لیکن اگست ۱۴ء میں جو عالمگیر جنگ چھڑی اُس نے صدہا دیگر علمی توقعات کی طرح اس آرزو کا بھی خون کر دیا اور اسکے متعلق سارے منصوبے کالعدم ہوگئے

لیکن اب یہ تجویز نسبتہً محدود پیمانہ پر پھر زندہ ہوئی ہے، ایکی کانگرس آف فلاسفی کا انعقاد بمقام آکسفورڈ ۲۴ تا ۲۷ دسمبر ۲۰ء قرار پایا ہے اسمین مجالس ذیل کے ارکان کو شرکت کی دعوت دیگئی ہے :-

(۱) برٹش سائیکولاجیکل سوسائٹی (لندن)

(۲) ارسٹاٹیلین سوسائٹی ″

(۳) مائنڈ ایسوسی ایشن ″

(۴) آکسفرڈ یونیورسٹی فلاسوفیکل سوسائٹی (آکسفرڈ)

(۵) امریکن فلاسوفیکل ایسوسی ایشن (امریکہ)

(۶) فرینچ فلاسوفیکل سوسائٹی (فرانس)

فلسفہ و متعلقات فلسفہ کا ہر مضمون، الٰہیات، نفسیات، اخلاقیات، اجتماعیات، ڈراما وغیرہ موضوع جلسہ مین داخل ہو سکتا ہے، صدر نشین انگلستان کے مشہور فلسفی لارڈ ہالڈین ہونگے اور افتتاحی خطبہ یورپ کے حکیم اعظم اور فرانس کے مایۂ ناز فرزند پروفیسر ہنری برگسن ارشاد فرمائینگے، ان اصحاب کی فہرست مین جو جلسہ کی کاروائیون مین حصہ لین گے، اکثر مشاہیر علما رفن کے نام نظر آتے مین، مثلاً برٹرینڈ رسل، ڈاکٹر شلر، میسو بوٹرد، پرنسپل جیکس، سر فریڈرک پولاک، بیرن وان ہیوگل، ڈاکٹر لنڈسے، پروفیسر گلبرٹ مرے وغیرہ،

ناظرین معارف کو یاد ہوگا کہ گذشتہ ستمبر مین یورپ کی متعدد مجالس مشرقیہ کا مشترک اجلاس لندن مین منعقد ہوا تھا، جسکا ذکر اکتوبر و نومبر کے معارف مین ملیگا، ایکی سال اسی قسم کا مشترک جلسۂ مستشرقین پیرس مین اسی ماہ جولائی مین منعقد ہوا ہوگا، اجلاس کی تاریخین ۶ تا ۸ جولائی مقرر تھین، اور دعوت نامے مجالس ذیل کے ارکان کی خدمت مین بھیجے گئے تھے،

(۱) سوسائٹی ایشیاٹک (پیرس)

(۲) رایل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن)

(۳) اسکولا اورینٹیل (اٹلی)

(۴) امریکن اورینٹیل سوسائٹی (امریکہ)

ایک انگلستانی اخبار لکھتا ہے کہ امسال انگلستان مین تقریباً تین ہزار خواتین طبی امتحانات کی سند لے رہی ہین، اور توقع ہے کہ چند سال کے عرصہ مین بمقابلہ عورتون کے مرد ڈاکٹرون کا کام بالکل سرد پڑ جائے،

برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن، اور برٹش سائنس گلڈ کی مشترکہ مجلس نے تجویز شایع کی ہے، کہ طبی ایجادات و اکتشافات سے متعلق بھی حکومت کو انعام و صلہ کا معقول سلسلہ قائم کرنا چاہیئے یہ تحریک وزیر اعظم کے خدمت مین پیش ہوگی، اور اس محضر پر کیمبرج کے نامور معلم طب سر کلفرڈ البٹ، سر رونالڈ راس، پروفیسر ہالڈین وغیرہ مشاہیر فن کے دستخط ثبت ہین اسمین طبی ایجادات، اختراعات و اکتشافات کی اہمیت پر زور دیکر یہ دکھایا گیا ہے کہ جبکہ سائنس کے دوسرے صیغون مین کام کرنے والون کے لئے حوصلہ افزائی و ترغیب کے کثیر ذرایع موجود ہین

تو کوئی وجہ نہین کہ صیغہ طب جو اُن سے کہین زیادہ اہم ہے ان ذرایع سے محروم رہے، آخر مین سفارش یہ پیش کیگئی ہے کہ جن اشخاص کے کارنامے اس صنف مین ممتاز سمجھے جائین انہین پانچ ہزار سے لیکر دس ہزار پونڈ سالانہ تک پنشن ملنی چاہیئے،

پروفیسر ای، جی، براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران زیر حکومت تاتاریہ" جسکا اعلان معارف کی پچھلی جلد مین ہوچکا ہے، چند ہفتہ ہوے کیمبرج یونیورسٹی پریس سے چھپکر شایع ہوگئی، یہ پروفیسر موصوف کی مشہور "علمی تاریخ ایران" کا گویا تیسرا حصہ ہے جسکا پہلا حصہ ۲سنہ مین اور دوسرا حصہ ۶سنہ مین شایع ہوچکا ہے، اس حصہ مین ایران کی ادبی تاریخ ۱۲۶۵ سے ۱۵۰۲ تک بیان ہوئی ہے، چوتھی اور آخری جلد کا عنوان "تاریخ ادبیات ایران در عصر حاضرہ" (ہسٹری آف پرشین لٹریچر ان ماڈرن ٹائمس) ہوگا۔

پروفیسر جے، اس، میکنزی، جو اسوقت انگلستان مین فلسفۂ اخلاق کے مستند عالم ہین اور جو اصول اخلاق پر بلند پایہ تصانیف کے مصنف ہین، مدراس یونیورسٹی نے انہین اپنے ہان کا لکچرر مقرر کیا ہے، اور اُمید ہے کہ فاضل موصوف عنقریب ہندوستان آکر چند ماہ تک مدراس مین مقیم رہین۔

ادبیات

افاداتِ اکبر

یہ عمر کبتک وفا کریگی زمانہ کبتک جفا کریگا
مجھے قیامت کی ہین امیدین جو کچھ کریگا خدا کریگا

فلک جو برباد بھی کریگا، ابندار دے سرے زمین گے
جو خاک ہونگا تو خاک سے بھی سدا بگولا اٹھا کریگا

خدا کی یاد کی پکار نہ ہون ہوا کرے ناخوشی بتون کو
مری غرض کچھ نہین کسی سے تو پھر مرا کوئی کیا کریگا

جہان فانی کا حشر ہی کو خیال کر مستقل نتیجہ
یہان تو یہم یہی ترود، یہی تغیر ہوا کریگا

اگرچہ ہے درد و غم سے مضطر یہی ہے وردِ زبان اکبر
یہ درد جس نے دیا ہے ہمکو وہی ہماری دوا کریگا

سلہ پروفیسر نواب علی ایم، اے، جنہین حال مین الہ آباد جاکر کلام اکبر سے مستفید ہونیکا موقع ملا، ارشاد فرماتے ہین:۔

الہ آباد مین اک اور بھی سنگم نظر آیا
بہم بہتے علم اور حکمت کے دریا قلب اکبر مین

دماغِ روشنِ اکبر ہے آئینہ حقیقت کا
تجلی نور عرفان کی ہے پیدا قلبِ اکبر مین

کسطرح کہتا کہ جو چاہون وہ ہونا چاہیئے — کچھ سمجھ ہی مین نہ آیا چاہنا کیا چاہیئے

کہہ دیا مین نے کہ ہون اور یہ نہین سمجھا کہ کیا — اس خودی کا حشر کیا ہونا ہی دیکھا چاہیئے

یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیئے پڑھنا نماز — یہ بھی سُن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیئے

جب دنیا سے نہین ہر صاحبِ عزلت بری — خانقاہین اور ہین اور دل کا کونہ اور ہے

مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند — خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

شکل اطمینان کم اس عالمِ فانی مین ہے — کامیابی بھی جہان ہو اک پریشانی مین ہے

دولتِ دنیا کی کیا لذت ہے اہلِ جور کو — ساری قوت صرف جب اُنکی نگہبانی مین ہے

مذہب کی پناہ آخر کو ملی اور کفر کی زد سے بچ نکلے

ہر دم ہے یہی اب اپنی دعا اللہ کا ہونا بیچ نکلے

مجلسِ نسوان مین دیکھو عزتِ تعلیم کو

پردہ اُٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

مطبوعاتِ جدیدہ

سوانحِ مدحت پاشا، یہ مشہور ترکی قوم پرست ابو الاحرار مدحت پاشا کی سوانحعمری ہے جسمین خاص طور پر ان اصلاحات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جو انھون نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف نظامات مین کی تھین، مرتبہ مرزا اسحاق بیگ، قیمت ۱۰/، پتہ: پبلک پریس مراد آباد،

گلدستۂ نظم، پنجاب سنٹرل ٹریڈنگ بک سیلرز لاہور نے اس نام سے اخلاقی، ادبی، اور قومی نظمون کا ایک مجموعہ شایع کیا ہے، جسمین بعض مشاہیر اور بعض غیر مشاہیر مثلاً مرزا غالب، حالی، اکبر، حسرت، شوق، شفق، امیر بدایونی، مولوی اسمٰعیل میرٹھی اور مولوی ظفر علیخان وغیرہ کی عمدہ نظمین انتخاب کرکے جمع کیگئی ہین، اگرچہ یہ تمام نظمین ایک درجہ کی نہین کتاب کی قیمت ۶/ ہے، اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتی ہے،

خیالستان: لاہور سے یہ ایک ماہوار علمی رسالہ جاری ہوا ہے اسمین نائب ایڈیٹر نے شکسپیر کی سوانحعمری لکھی ہے، اور چودھری غلام حیدر خان نے مہری کی سرگذشت کے عنوان سے ایک مضمون طبع کرایا ہے جو انکی مترجمہ کتاب "ترکی حرم" کا ایک حصہ ہے، یہ ترجمہ نہایت دلچسپ ہے، اخیر مین ایڈیٹر صاحب نے ایشیا کی گذشتہ عظمت پر ماڈرن ریویو سے ایک مضمون کا اقتباس کیا ہے، جو اگرچہ نہایت سطحی ہے تاہم اس سے بعض مفید معلومات بھی حاصل ہوتے ہین، رسالہ مصور ہے، چنانچہ اس نمبر مین شکسپیر کی تصویر شامل کیگئی ہے قیمت سالانہ للعہ/ فی پرچہ ۶/، پتہ: دفتر خیالستان لاہور،

روزانہ خلافت، مسئلۂ خلافت کو اسلام مین جو اہمیت حاصل ہے اسکا اقتضاء

یہ تھا کہ ایک خاص اخبار جاری کیا جائے، جس سے جمہور اہل اسلام کو خلافت کے متعلق یکجا طور پر معلومات حاصل ہون، اس روزنامہ نے اسی ضرورت کو پورا کیا ہے، جو اصحاب خلافت لٹریچر پر وسیع نظر رکھنا چاہتے ہین ان کے لئے اسکا مطالعہ بہت مفید ہوگا قیمت حہ رسالانہ،

روزنامہ رعیت، یہ اخبار خواجہ حسن نظامی کی ایڈیٹری مین دہلی سے نکلنا شروع ہوا ہے، اسکا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے، جسمین ایک مضمون "رعیت کا پیام محبت" ہے جو مسٹر عبدالماجد بی، اے کے زور قلم کا نتیجہ ہے، اسمین بتلایا گیا ہے کہ رعیت کے اجرا کے کیا مقاصد ہین، اور ان مقاصد کے لحاظ سے رعیت اور دوسرے اخبارات مین کیا فرق ہے؟ مضامین کی ترتیب عمدہ، اور اقتباسات دلچسپ ہین، قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۲ر، پتہ: رعیت دہلی،

روزنامۂ زمانہ، اس نام کا ایک اخبار مولوی محمد اکرم خانصاحب کی ایڈیٹری مین کلکتہ سے جاری ہوا ہے جو ایک کہنہ مشق اخبار نویس ہین، اور ان کے زیر ادارت اخبار قومی مسائل پر نہایت پرجوش مضامین لکھتا ہے، لیکن بااین ہمہ زبان کی ناہمواری افسوسناک ہے، بعض جگہ طرز بیان اسقدر بلند اختیار کیا جاتا ہے، گویا سامنے الہلال مرحوم کا فائل کہلا ہوا ہے، اور بعض جگہ انتہائی پستی پیدا ہو جاتی ہے، اس ضروری اصلاح کے بعد امید ہے کہ یہ اخبار قوم وملک کے لئے ہر طرح مفید ثابت ہو، کلکتہ سے اردو روزانہ کی سخت ضرورت تھی، یہ اخبار اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نکلا ہے، اسکی قیمت ۱ر فی پرچہ ہے اور نمبر ۲۹ اپر سرکلر روڈ کلکتہ سے مل سکتا ہے،

مجلد ششم | ماہ ذیقعدہ سنہ ۳۸ھ مطابق اگست سنہ ۲۰ء | عدد دوم

مضامین

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعتہائے انسانی" کے اصول نفسیہ کا ترجمہ، از مولانا محمد یونس فرنگی محلی، قیمت عار۔

"منیجر"